جلد ۱۰۳ | جون ۱۹۸۵ء | عدد ۲۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

تفہیم القرآن

جلد اوّل ـــــــ جلد سوم

کے

نئے ایڈیشن

طبع ہو کر آگئے ہیں۔ تاجران کُتُب اور قارئین کرام

اپنی مطلوبہ تعداد کے لیے پہلی فرصت میں اپنے آرڈر سے

مطلع فرمائیں

ــــــ ــــــ

ہدیہ جلد اوّل ـــــــ /۷۲ روپے

ہدیہ جلد سوم ـــــــ /۸۰ ”

اِدارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ۔ لاہور

دربار مارکیٹ (میلا رام مل)

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۳ | جون ۱۹۸۵ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ | عدد ۶

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

زرسالانہ تیس روپے - فی پرچہ -/۳ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایس فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کیا ہم کبھی خارج کی دُنیا سے الگ اور جسم کے تقاضوں سے بے تعلق ہو کر کبھی اپنے دلوں کی گہرائیوں میں بھی اُترنے کا موقع پاتے ہیں؟ ہمارے گرد و پیش کے ہنگامے اتنے بڑھ گئے ہیں اور زندگی کی رو اروی اتنی تیز ہو گئی ہے کہ نظر کہیں ٹھہر ہی نہیں پاتی۔ ہم بہت سے مشغلے اور دلچسپیاں رکھتے ہیں، صرف اپنے سے ہی دلچسپی ختم ہو گئی ہے، خارج کے احوال سے تعلق اتنا گہرا ہو گیا ہے کہ داخل کا مکان مقفل پڑا رہتا ہے، دوسروں ہی کے ساتھ اتنے جھمیلے ہیں کہ اپنے دل سے کوئی ربط باقی نہیں رہا۔ ساری دُنیا کی اصلاح کا ذمہ ہم لے لیتے ہیں مگر اپنی رُوح ہی کی بگڑی نہیں بنا سکتے۔

کیا آپ کو صحیح صحیح اندازہ ہے کہ ہمارے دل کا کیا عالم ہے؟ اس میں کتنا کوڑا کرکٹ جمع ہے۔ کیسی کیسی شاندار غلاظتوں کے ڈھیر جگہ جگہ لگے ہیں؟ مردوں کی ہڈیوں اور سڑے ہوئے گوشت جیسی بساند بھری ہے۔ مکڑوں نے جالے تن رکھے ہیں۔ خونخوار چمگادڑوں کی پھڑ پھڑاہٹ باطنی فضا میں سُنائی دیتی ہے، ناگ پھنکارتے ہیں۔ اُلوؤں کی مہیب آوازیں گونجتی ہیں۔ طرح طرح کے بُت جگہ جگہ نصب ہیں۔ دیواروں پہ منحوس عریاں تصویریں نقش ہیں۔

اپنے باطن کی اس ناپاک دُنیا کو ہم دلفریب گفتگوؤں اور لچھے دار تقریروں سے چھپاتے ہیں ان کو لطیفوں اور قہقہوں سے ڈھانپتے ہیں۔ ان کو مصنوعی سنجیدگی و وقار کے پردوں سے سجاتے ہیں۔ دولت کے انباروں، عیش کے سامانوں، خوبصورت بنگلوں، لطیف فنی شاہ پاروں، پُربہار سماجی اور ثقافتی تقریبوں میں نگاہوں کو اُلجھا کر آگے بڑھنے سے روک دیتے ہیں۔ دوسروں کی

نگاہوں سے چھپتا چھپاتا تو آگے رہا ، ہم اپنی ہی نگاہوں کو اپنے دلوں تک پہنچنے سے روکتے ہیں ۔ اس کام کے لیے ہمارے پاس فرصت نہیں ۔ ہماری مصروفیات بے پناہ اور ہمارے عہدے بڑے اونچے ہیں ۔

پھر کیا آپ ایسا محسوس کرتے ہیں ؟ اگر آپ کو یہ مبارک احساس ہے تو دل کا مقفل دروازہ کھولیے اور اس کے اندر گرد سے اٹی ہوئی سیڑھیوں سے تاریکی ہی کے عالم میں اتر جائیے اور اگر کہیں کچھ روشنی ہو تو بہتر ورنہ ہاتھوں پیروں سے ٹٹول کر دیکھیے کہ اس میں کیا کیا کچھ ہے ۔ کانوں سے کوئی آواز سنائی دے تو سنیے کہ کیا آواز ہے اور کیسی ؟ خوش نصیب ہیں وہ جو روزانہ ایک آدھ مرتبہ اپنے ایوانِ دل کا چکر لگا لیتے ہیں ۔ پھر وہ بھی بُرے نہیں جو کبھی کبھار کوچۂ دل کی گردش کرتے رہتے ہیں ۔ جن کو سرے سے یہ توفیق ہوتی ہی نہیں ، ان کو قیامت کے دن خبر ہوگی کہ نجات نہ مال و جاہ پر منحصر ہے ، نہ بیوی بچوں اور قرابت داروں پر ، مرعوب کُن لباسوں پر نہ پلے ہوئے آراستہ جسموں پر ___ وہاں تو معاملہ دوسرا ہے ۔

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعراء - ۸۹)

نجات اور کامرانی صرف ان کے لیے ہے جو قلبِ سلیم کے ساتھ حاضر ہوں ۔ آج ہمارے سوچنے کا سوال یہ ہے کہ آیا قلبِ سلیم کی دولت ہمارے پاس ہے ؟ سلامتی والا دل ، حق شناس دل ، راست باز دل ہے ہمارے سینوں میں ؟

اگر یہ نہیں تو پھر سارے ظاہری ہنگامے اور سرگرمیاں اور بڑے بڑے مناصب اور مشغلے حسنِ گفتار اور جوشِ اظہار ، اختیارِ حکم اور طاعت طلبی ، بڑے بڑے اصحاب کی ہم نشینی ، بڑے بڑے کاروبار چلانے کی اسکیمیں ، راحت کے اسباب سے بھرا ہوا گھر سب کچھ بیکار ہے ۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

تو ہم نے یہ کبھی دیکھا ہی نہیں کہ پہلو میں دل زندہ ہے یا نہیں ؟ آیا وہاں سِل یا سوکھے کا کوئی لاعلاج مریض پڑا ہے یا دل کے بجائے دل کی میت پڑی ہے اور وہ سڑ بگڑ رہی ہے ۔

دل کی تباہی چند چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ طرح طرح کی جسمانی خواہشات اس کے گرد محاصرہ کر لیں اور ساری توجہ دولت اور اسباب اور کاروبار کی طرف منعطف ہو جائے۔ اس طرح دل کے گرد کئی غول چڑھ جاتے ہیں جو اسے بھینچ کر اور اپنے پنجے میں جکڑ کر آہستہ آہستہ مرگِ دل کا سامان کرتے ہیں۔ یہی معنی ہیں اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ اور دوسرے ارشاداتِ قرآنی کے، اور یہی مفہوم ہے ان احادیثِ رسالت کا جن کا مغز یہ ہے کہ کفاف کی گذران بہترین معیشت ہے، اس سے آگے بڑھ کر جب دولت کی ریل پیل سے سابقہ پڑے گا تو حال یہ ہوگا کہ ع مسکیں دلکم ماندہ دریں کشمکش اندر

اِس دل پر آپ سونے چاندی کے انبار لاد دیں، اس پر بھاری عمارت کا بوجھ کھڑا کر دیں۔ اس پر نئے نئے اسبابِ تعیش کا بوجھ ٹھونس دیں۔ اس پر مفاد کے جھگڑوں کے رگڑ چلا دیں۔ اور پھر یہ سمجھیں کہ یہ ہستیٔ نازک محفوظ رہ جائے گی، یہ ایک بڑی خود فریبی ہے۔ دل پر بوجھ کم کیجیے ــــــ خواہشوں اور لذتوں کا بوجھ، کثرتِ اسباب و وسائل کا بوجھ، جھگڑوں اور جھمیلوں کا بوجھ، خیانت اور پیش دستی کا بوجھ۔

دل کی زیادہ شامت انسانی معاملات و تعلقات کے دائرے میں آتی ہے۔ کسی کی طرف سے ذراسی غلطی ہوگئی اور آپ کے اندر کینے کی میخ گڑ گئی۔ کسی سے کوئی نقصان پہنچا یا کوئی شخص آپ کے مفاد کا آلۂ کار نہ بنا تو اس سے نفرت ہوگئی۔ کسی کے متعلق آپ کی یہ سوچ کہ یہ شخص اپنی نیکی یا ذہانت یا اپنی بے نیازیٔ مفاد کی وجہ سے میرے منصوبوں کی راہ میں رکاوٹ ہے لہٰذا اس سے نفرت ہوگئی۔ کسی نے حق بات کہہ دی تو آپ کو غصہ آگیا۔ اور پھر وہ ایک مستقل غِل بن گیا۔ کسی کو آپ نے یہ دیکھا کہ کسی خاص مقام کو پانے میں فلاں کا وجود حائل ہے۔ تو اب آپ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ کسی نہ کسی طرح اس رکاوٹ کو دُور کرنا ہے اور اسے دُور کرنے کے لیے آپ نے اس کے خلاف کیس تیار کرنا شروع کر دیا، نیز کسی دوسرے کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ کسی نے اختلاف کیا تو آپ نے محسوس کیا کہ توہین ہوگئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے دل میں اس کے لیے ایک مستقل تحقیر بیٹھ گئی۔ کسی نے تنقید کا کوئی کلمہ کہہ دیا تو آپ کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اُس نے ع

اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

پھر اس کے ردِ عمل میں شدید جھنجھلاہٹ، تندیٔ گفتار اور اُسے یہ محسوس کرانا کہ ہماری نگاہ میں نہ تمہاری وقعت ہے، نہ تمہارے نقطۂ نظر کی کوئی وقعت۔ تم ایک جاہل کندۂ ناتراش اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ہمارے سامنے بہت پست مقام پر ہو۔

کسی کے خلاف غیبت، کسی کے خلاف جتھہ بندی، کسی کے خلاف منصوبہ بندی، کسی کے خلاف نفسانیت کے وار، مگران کا پیرایہ اصولی۔

اور ایک مصیبت کبر کی۔ کبرِ علم اور کبرِ منصب اور کبرِ پارسائی اور کبرِ ذہانت، کبرِ قوت، کبرِ دولت، کبرِ زہد کی وچالاکی ——— اور پھر کبر کے منارے پر کھڑے ہو کر دوسروں کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس کرنا کہ سب بونے ہیں، چیونٹیاں رینگ رہی ہیں۔ کوئی ہمسر نہیں، کوئی بھائی اور دوست نہیں۔

کوئی دیہاتی ہے تو اس کا وجود دیوِ کبر کے لیے بہترین غذا فراہم کرتا ہے، کوئی غریب ہے تو اس کی غریبی ہمارے غبارۂ نفس پرستی کو پھلا دیتی ہے، کوئی ان پڑھ ہے تو ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ بیچارہ تو محض ایک بھیڑ بکری ہے۔

تہذیب کی سلامتی ایمان باللہ اور خوفِ خدا سے ہے، مگر جب ساری توجہات معیارِ زندگی بنانے پر صرف ہو رہی ہوں اور ساری مساعی نت نئے کاروبار کی راہیں نکالنے میں کھپ جائیں، دماغ کی کاوشیں مختلف اسباب ——— قالین، صوفے، ٹیلی وژن، وی سی آر، کپڑے دھونے کی مشین، لے سی، جمع کرنے کے لیے وقف ہو جائیں اور جب خوب غرحیلی اور ٹھاٹھ باٹھ کی تقریبیں ہونے لگیں تو بیچارے دل کا زندگی میں کیا مقام رہا۔ ستم یہ کہ یہ سارے کھیل دوسرے کھیلیں تو دنیا پرستی، اور ہم آپ کھیلیں تو عین خدا پرستی اور خدمتِ دین۔ ہر غلط چیز پر خدا پرستی اور تقویٰ کا لبادہ رنگین موجود!

جس دل کو یہ آفات درپیش ہوں کہ اس سے کد، اس سے کد، کسی سے کینہ، کسی سے کٹی،

کسی سے کھینچا تانی، کسی کے لیے نفرت و تحقیر، کسی کی کمزوری غذائے غرور، کسی کے خلاف غیبت، کسی کے خلاف نجوی اور محاذ آرائی، کسی سے ترک سلام، کسی سے رنج ہوا تو معاف کرنا حرام اور کسی نے معافی چاہی تو عفو دہی کا دروازہ بند، معافی دی بھی تو لفظوں میں دی مگر اخلاص سے نہیں۔ کسی سے سرمایہ حاصل کرنے کی خواہش، کسی کے ہاں سرمایہ لگانے کی بے چینی، کسی کی حصہ داری سے شکایت، کسی قرابت دار سے قطع رحمی، کسی ضرورت مند کے لیے ایثار ناپید، اجتماعی املاک کو ذاتی اغراض سے استعمال کرنا، ـــــ غرضیکہ دل پر ہر طرف سیاہ نقطے مسلسل لگ رہے ہیں اور پھیل رہے ہیں، اور وہ سیاہی کے غلاف میں اس طرح لپٹا جا رہا ہے کہ وہ جو دنیا بھر میں شمعیں جلاتے پھرتے ہیں ان کے اندر کا چراغ کشتہ ہو کے رہ جاتا ہے۔

جب اپنے باطن کا اصل عالم یہ ہو تو چہرے خوب تاباں ہوئے تو کیا!

ع چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

اندر پیپ اور کچ لہو بھرا پڑا ہو تو اس سے کیا فائدہ کہ ماتھے پر بناوٹی طور سے گلاب کے پھول کھل رہے ہوں۔ اندر زخم اور گھاؤ ہوں تو باہر دنیا جہان کی مسیحائی کرنے کی جُنگ کس لیے؟ اندر ماتمی فضا ہو تو کیا حاصل ہے کہ باہر مسکراہٹوں کے پردے آویزاں ہوں۔ اندر کڑواہٹ بھری ہے تو کیا افادیت کہ باہر لب گفتار سے شہد ٹپک رہا ہو۔ اندر پستیاں ہوں تو باہر بلند مسندوں پر بیٹھنے سے حقیقی بلندی کیسے پیدا ہو جائے گی؟

جن لوگوں کو خدا سے بات بنانی ہو تو وہ سب سے پہلے دل کی خبر لیں؟ دل درست ہے تو ساری زندگی درست ہوگی اور دل فساد زدہ ہے تو ساری زندگی بگڑ جائے گی۔ دل زندہ ہے تو سب کچھ سلامت، دل مر گیا تو سب کچھ بھسم۔

گھٹیا جذبات کی گندگیوں سے بھرے ہوئے دلوں کو لے کر جب ہم آخرت میں پیش ہوں گے تو اس وقت معلوم ہوگا کہ قلب سلیم یا اخلاص نیت کے بغیر شاندار رفرد عمل بے کار ہے۔ ریا کے کاموں کی کوئی قدر وہاں نہیں ہے۔ شہرت طلبی کے لیے کی گئی عبادات و خدمات کو ذرہ بھر وزن حاصل نہیں ہے۔ معاملاتِ انسانی اور تعلقاتِ انسانی کو خراب کرنے والوں کو نہ تقریریں بچا سکیں گی نہ تسبیحیں

عہدے اور مجلسیں اور بیان اور قرار دادیں اور پالیسیاں اور دورے اور استقبال اور پھولوں کے ہار اور دعوتیں اور استقبالیے امراضِ دل کا علاج نہیں ہیں۔

امراضِ دل کا علاج صرف یہ ہے کہ آدمی حالتِ دل کا جائزہ لے اور جو جو روگ لگ گئے ہوں یا جن جن جراثیم کا حملہ ہوا ان کو اچھی طرح سمجھے۔ اسے اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ کس پستی اور کس گندگی اور کس تاریکی اور کس ذلت سے دوچار ہے۔ وہ دیکھے کہ کن خواہشات نے خانۂ دل پر قابو پا رکھا ہے۔ کون سے ارذل جذبات اس میں گندگی پھیلا رہے ہیں۔ کن کن انسانوں اور دوستوں اور رفیقوں کے لیے اس کے اندر زہر بھرا ہوا ہے۔ کن کن لازمی رشتوں اور رابطوں کو کاٹنے والی قینچیاں اس کے سینے میں نصب ہیں۔ کہاں کہاں اس نے بے جا فاصلے بڑھا رکھے ہیں اور کدھر کدھر ناروا قرابتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ کن دھڑے بندیوں میں وہ مبتلا ہے۔ کیسی کیسی محبتوں کو اس نے دور دھکیل رکھا ہے۔ کن کن خیرخواہ محبوں کو اس نے دشمنی کے مقام پر جا کھڑا کیا ہے۔ کن دوستوں کو اپنے سینے سے چمٹانے کے بجائے اس نے اپنے آپ سے دہلا رکھا ہے۔

اِس طرح کے سوالات کو سامنے رکھ کر جب دل کا احتساب کیا جائے تو پھر حقائق سامنے آجاتے ہیں اور اپنی اصلاح کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

ماہ رمضان ماہ احتساب بھی ہے۔

اس مہینے میں جب کہ غولِ شیطانی کی یورش کم ہو جاتی ہے، ہمارے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے دل کی دنیا تک رسائی حاصل کریں۔ سحری کے وقت، خلوئے معدہ کے وقت، افطاری کے وقت اور تراویح کے وقت اپنا احتساب کرنا زیادہ موثر ہو جاتا ہے۔

اس زمانے میں آدمی کو اپنے خلاف آپ ناقد اور محاسب بن جانا چاہیے۔ ان تمام زہریلے کانٹوں کو دل سے چن چن کر نکالنا چاہیے جو اسے جبار، متکبر اور مایوس و قنوط بنا دیتے ہیں۔ اس مقدس مکان میں سے ہر ناپاک چیز کو نکال کر باہر پھینک دیجیے۔ اس میں جھاڑو دیجیے، چھڑکاؤ کیجیے اور آنسوؤں کے چراغ جلائیے۔

مومن کا دل ایمان والا دل ہونا چاہیے جو عبدیت کے احساس سے مالامال ہو اور خدا

کی عبادت کے اخلاص مندانہ جذبے کے ساتھ مخلوقِ خدا کی ہر بہترین خدمت انجام دینے کے لیے تیار ہو۔

اِس کام میں جہاں روزہ اور نماز سے مدد ملتی ہے وہاں قرآن کو شوق و رغبت کے ساتھ سمجھ کر پڑھنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اذکارِ مسنونہ کی کثرت بڑی مفید ہے۔ صدقہ و انفاق باعثِ برکت ہے۔ صدقہ کی یہ شکل خاص اہمیت رکھتی ہے کہ اپنے سے کمزور انسانوں تک آدمی چل کر جائے۔ ان کے احوال میں دلچسپی لے اور ان کے مصائب کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں مدد دے۔ جس کسی کو دنیا والوں نے پستی میں ڈالا ہوا سے گلے سے لگا کر اٹھا کھڑا کرے اور احساس دلائے کہ تم اونچے ہو اور ہر بلندی کو حاصل کر سکتے ہو۔

جو بھی گروہ بندیاں خالص حق کی بنیاد پر قائم نہ ہوں ان سے نجات حاصل کرے اور حق کی بنیاد پر قائم ہونے والی کسی بھی جماعت میں نہ گروپس پیدا کرے اور نہ ان میں شریک ہو۔ یہ منصوبے آدمی کو چھوڑ دینے چاہئیں کہ فلاں کو پیچھے دھکیلنا ہے اور فلاں کو آگے پہنچانا ہے اور فلاں اگر میری اسکیموں میں رکاوٹ بنے تو اس کا پتہ کاٹنا ہے۔ ایسے تمام فیصلے اللہ پر چھوڑ دے اور اپنے کام سے کام رکھے۔

جب آدمی اپنے آپ کو اس مقام پر پائے کہ ذاتی وجوہ سے اسے نہ کسی کے خلاف نفرت و بیزاری ہو، نہ کسی کے خلاف کینہ و انتقام کا رجحان، نہ کسی کی بے جا حمایت اور نہ بے جا مخالفت کا جذبہ، نہ ناجائز طور پر حصولِ مفاد کی کوئی فکر، نہ دوسروں کے مقابلے میں کسی طرح کا احساسِ کبر و رعونت، نہ جتھا بندیاں بنانے کی عادت اور نہ ان میں شریک ہونے کا شوق، نہ اقامتِ دین اور حصولِ رضائے الٰہی کے علاوہ کسی اور مقصد پر توجہ۔ تب یہ امکان ہے کہ آدمی کا قلب قلبِ سلیم بن سکے اور آخرت میں ذریعۂ نجات و نجاح ہو۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

روزوں کے دو مقاصد

تلخیص و اقتباس کردہ: از محمد یوسف صاحب۔ مرکز ادارہ معارف اسلامی۔ لاہور

قرآن مجید میں رمضان کے روزوں کی دو ہی مصلحتیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ ان سے مسلمانوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ط "تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو"۔ دوسری یہ کہ مسلمان اُس نعمت کا شکر ادا کریں جو اللہ تعالیٰ نے رمضان میں قرآن مجید نازل کر کے ان کو عطا کی ہے۔ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ "تاکہ تم اللہ کی تکبیر کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اُس ہدایت پر جو اُس نے تمہیں دی ہے"۔

دُنیا میں اللہ جل شانہٗ کی سب سے بڑی نعمت نوعِ انسانی پر اگر کوئی ہے تو وہ قرآن مجید کو نازل کرنا ہے۔ تمام نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہے۔ رزق اور اس کے جتنے ذرائع ہیں، محض انسان کے جسم کے لیے ہیں۔ قرآن مجید وہ نعمت ہے جو انسان کی رُوح کے لیے، اس کے اخلاق کے لیے اور درحقیقت اُس کی اصل انسانیت کے لیے نعمتِ عظمٰی ہے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کا شکر اُسی صورت میں صحیح طور پر بجا لا سکتا ہے، جب کہ وہ اس کے دیئے ہوئے رزق پر بھی شکر ادا کرے اور اُس کی دی ہوئی اس نعمتِ ہدایت کے لیے بھی شکر ادا کرے جو قرآن کی شکل میں اُس کو دی گئی ہے۔ اس کا شکر ادا کرنے کی یہ صورت نہیں ہے کہ آپ بس زبان

سے شکر ادا کریں اور کہیں کہ اللہ تیرا شکر کہ تُو نے قرآن ہمیں دیا، بلکہ اس کے شکر کی صحیح صورت یہ ہے کہ آپ قرآن کو سرچشمۂ ہدایت سمجھیں، دِل سے اس کو رہنمائی کا اصل مرجع مانیں اور عملاً اس کی رہنمائی کا فائدہ اُٹھائیں۔

اگر کسی شخص نے اِس رمضان المبارک کے زمانے میں قرآن کو اِس نظر سے دیکھا اور سمجھا ہے اور کوشش کی ہے کہ اُس کی تعلیم و ہدایت کو زیادہ سے زیادہ اپنی سیرت و کردار میں جذب کرے، تو اُس نے واقعی اِس نعمت پر اللہ کا صحیح شکر ادا کیا ہے۔ وہ حقیقت میں اس پر مبارک باد کا مستحق ہے کہ رمضان المبارک کا ایک حق جو اس پر تھا، اُسے اُس نے ٹھیک ٹھیک ادا کر دیا۔

رمضان المبارک کے روزوں کا دوسرا مقصد جس کے لیے وہ آپ پر فرض کیے گئے ہیں، یہ ہے کہ آپ کے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ آپ اگر روزے کی حقیقت پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ کارگر ذریعہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تقویٰ کیا چیز ہے؟ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے اور اُس کی فرماں برداری اختیار کرے۔ روزہ مسلسل ایک مہینے تک آپ کو اسی چیز کی مشق کراتا ہے۔ جو چیزیں آپ کی زندگی میں عام طور پر حلال ہیں وہ بھی اللہ کے حکم سے روزے میں حرام ہو جاتی ہیں اور اس وقت تک حرام رہتی ہیں جب تک اللہ ہی کے حکم سے وہ حلال نہ ہو جائیں۔ غرضیکہ آپ اپنے نفس پر اتنا قابو پالیں کہ وہ اپنے بے جا مطالبات اللہ کے قانون کے خلاف آپ سے نہ منوا سکے۔ یہ غرض ہے جس کے لیے روزے آپ پر فرض کیے گئے ہیں۔

اگر کسی شخص نے رمضان کے زمانے میں روزے کی اس کیفیت کو اپنے اندر جذب کیا ہے تو وہ حقیقت میں مبارک باد کا مستحق ہے۔ اور اس سے زیادہ مبارک باد کا مستحق وہ شخص ہے جو مہینہ بھر کی اس تربیت کے بعد عید کی پہلی ساعت ہی میں اسے اپنے اندر سے اُگل کر پھینک نہ دے بلکہ باقی گیارہ مہینے اس کے اثرات سے فائدہ اُٹھاتا رہے۔ (باقی بر صفحہ ۲۴)

عہدِ وفا اور وفائے عہد

درسِ قرآن ——— خرم جاہ مراد

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

آیئے ہم اپنے مطالعہ قرآن کا آغاز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے ساتھ کریں کہ "جب لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوتے ہیں، اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کو باہم سمجھنے اور سمجھانے میں لگ جاتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے آسمان تک ان پر سایہ فگن ہوتے ہیں۔ (مسلم) اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کا مستحق بنالے اور ٹھہرائے۔

میں بہت سوچتا رہا کہ تحریکِ اسلامی کا یہ قافلہ اپنی زندگی کے چالیس قیمتی سال گزار چکا ہے۔ قرآن مجید کے کس حصے کو مطالعے کے لیے منتخب کروں؟ تو خیال آیا کہ قرآن مجید میں یہ تلاش کروں کہ اس میں ہمارا ذکر کہاں کیا گیا ہے؟ قرآن مجید اپنے بارے میں فرماتا ہے کہ "فِيهِ ذِكْرُكُمْ" (اس میں تمہارا ذکر ہے)۔ گویا اس میں جہاں ہمارے لیے یاد دہانی ہے وہاں اس میں ہمارا ذکر بھی موجود ہے اور ہمارے بارے میں بھی کہا گیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس قافلۂ جانفروش کے لیے قرآن میں اپنے ذکر کی تلاش کرنا اور اس سے رہنمائی پانا ناگزیر ہے۔

ہمارے اس قافلے نے اس عزم کے ساتھ سفر کا آغاز کیا تھا کہ ہم خدا کی زمین پر خدائے واحد کی حکمرانی قائم کریں گے۔ یعنی وہ عظیم کام جو اللہ کے رسول اور اس کے نبی انجام دیتے رہے ہیں، وہ کام ہم نے اپنے ذمے لیا تھا اور یہ اعلان کیا تھا کہ ہمارا یہ عہد کسی انسان یا جماعت سے نہیں ہے بلکہ خدائے

واحد و لاشریک ہے۔ ہم نے اللہ رب العالمین کو حاضر و ناظر جان کر وفائے عہد اور عہدِ وفا کی راہ پر قدم آگے بڑھایا تھا۔ چنانچہ اس پس منظر میں آپ سے آپ میری نظریں سورہ فتح کی ان آیات پر ٹھہر گئیں اور میرا دل اس انتخاب پر جم گیا۔ اب میں انہی آیات کی تلاوت و ترجمانی آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

(الفتح - ۸-۱۰)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا، اور خبردار کر دینے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اُس کا ساتھ دو، اس کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔ اے نبیؐ جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا اور جو اس عہد کو وفا کرے گا جو اُس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اُس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔"

اِن آیات میں ہمارے عہدِ وفا کا ذکر ہے۔ اس عہد کی حقیقت کتنی عظیم ہے اور اس عہد کے تقاضے کتنے نازک و گراں بار ہیں، پھر ان آیات میں راہِ وفائے عہد کے نقوش بھی دکھائے گئے ہیں اور طریق بھی واضح کیا گیا ہے اور یہ بات بھی کھول کر بیان کر دی گئی ہے کہ اس عہدِ وفا کو باندھنے والے پر کیا ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ اور بے وفائی کا وبال کیا ہے اور وفا کا اجر کتنا عظیم ہے۔ بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن مخاطب پوری اُمتِ مسلمہ ہے اور خاص طور پر اُمت کا وہ گروہ مخاطب ہے جس نے اس بات کا عہد کیا ہو کہ وہ فریضہ رسالت کی ادائیگی اور کامیابی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رہا ہے اور اس کی جماعتی زندگی صرف عہدِ وفا

کے شعور اور اس سے وابستگی اور وفائے عہد کی آرزو اور عزم کے محور پر قائم ہے۔ فرمایا:

"ہم نے تم کو گواہ بنا کر بھیجا ہے۔"

"اور بشارت دینے والا۔"

"آگاہ کر دینے والا اور ڈرانے والا۔"

الفاظ صرف تین ہیں "شاہد، مبشر اور نذیر" لیکن ان تین الفاظ میں فریضۂ رسالت سے متعلق ساری ہی باتیں سمو دی گئی ہیں، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ اور رسول بھیجے۔ اس میں کام کی اہمیت بھی بیان ہو گئی ہے۔ پیغام کی اہم خصوصیات بھی آگئی ہیں۔ اور پیغام بری کے بعض اہم پہلو بھی واضح ہو گئے ہیں...... یہی فریضہ ہمارے اُوپر عاید ہوتا ہے اور یہی تفصیلات بتاتی ہیں کہ کتنی نازک اور کٹھن ہے یہ ذمہ داری۔

لفظ "شاہد" یعنی "شہادت دینے والا" کے جو معانی و مضامین ہیں ان کی تفصیل میں جانا ضروری نہیں کہ یہ لفظ صبح و شام ہمارا وظیفۂ کلام ہے، مختصر الفاظ میں شہادتِ حق ہی تو نام ہے اس ذمہ داری کا جو ہم نے اپنے اُوپر لی ہے۔ لہٰذا صرف یہی ایک مگر بنیادی بات ذہن میں تازہ کر لینے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے جو نظام تجویز کیا ہے۔ اس کی اساس شہادتِ حق پر قائم ہے تاکہ اس کارزارِ حیات میں انسانوں کے سامنے حق قولی اور عملی صورت میں نمودار ہو کر واضح ہو جائے۔ اسی کا انتظام فرمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے اور سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد شہادتِ حق اور اُمتِ مسلمہ کو لازم و ملزوم قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا:

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" (۱۴۳)

"اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔"

گویا سارے انسانوں کی ہدایت کا فریضہ قیامت تک کے لیے اُمتِ مسلمہ کے سپرد ہے۔

"شاہد" کے بعد "مبشر" "بشارت دینے والا" اور "نذیر" "آگاہ کرنے والا" "ڈرانے والا"

تک الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ فریضۂ رسالت کے یہ دونوں پہلو بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنا کہ اولین پہلو۔

ظاہر ہے کہ "شہادت" مجرد زبانی قول کا نام نہیں ہے۔ شہادت تو وہ عمل اور دعوتِ عمل ہے جو دلوں میں ایک متعین منزل پر پہنچ جانے کی اُمنگ اور آرزو پیدا کرے، یہ ذوق اور احساس پیدا کرے کہ اگر اس نمونے کی پیروی کی تو اُخروی اور ابدی نجات سے فیض یاب ہوں گے۔ عمل اور دعوتِ عمل کی اس لگن کو قولِ سدید اور عملِ صالح کہا گیا ہے جس کے بدلے میں تابناک مستقبل اور اجر و انعامات محفوظ کیے گئے ہیں۔ مستقبل کی اُمیدیں اور ایسی تمنائیں جو یقین سے معمور ہیں، دلوں میں آرزو اور عزم کی شمعیں روشن کرتی ہیں۔ بشارت کے بغیر شہادت محض ایک علمی و عملی کام تو ہو سکتی ہے، لیکن وہ دلوں میں ہلچل پیدا نہیں کر سکتی۔ اسی طرح قلوب کی اُکساہٹ کے لیے انذار ضروری ہے۔ انسان اُمید اور خوف کے سہارے بڑی بڑی منزلیں مار لیتا ہے۔ انذار میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ انسان پر نجی زندگی اور معاشرہ کی خرابیاں واضح کر دی جائیں اور ان کے عواقب سے وہ آگاہ ہو جائے۔ ایسے عواقب جو دُنیا سے لے کر آخرت تک محیط ہیں۔ یعنی اُسے معلوم ہو جائے کہ اس کے اپنے نفس، اپنی جماعت اور اپنے معاشرے میں کون کون سی خامیاں اور خرابیاں ہیں کہ جو اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خطرناک اور تباہ کن نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔ گویا انذار سے جہاں ایک طرف اجتماعیت، نفس اور معاشرہ کی عکاسی ہوتی ہے وہاں دوسری جانب دل کی کشتی خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کا لنگر ڈال کر اپنے نفس کا جائزہ لینے کے لیے ٹھہر جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں انذار عملِ صالح کی دوسری بنیاد بن جاتا ہے، لہٰذا ہمارے نفس میں اُمید اور خوف کو رچ بس جانا چاہیے۔ اور ہماری دعوت کو بھی ان دونوں پہلوؤں سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

آگے فرمایا:

"لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ"

"تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی توقیر کرو۔"

ایمان لانے کا بیان صرف شہادت اور تبشیر و انذار کے نتیجہ کے طور پر نہیں بلکہ اس میں دعوت اور پکار موجود ہے اور ایمان اور فریضہ رسالت کی ادائیگی کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم اور مربوط کر دیا گیا ہے۔

— یہ دعوت کس کے لیے ہے؟

کسی نے کہا" یہ خطاب صرف مسلمانوں کے لیے ہے"۔

کچھ نے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل سمجھا ہے۔

ہمارے نزدیک ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے اس لیے کہ اللہ کا نبی جس چیز کی دعوت دیتا ہے اس پر خود بھی اسی طرح ایمان لاتا ہے جس طرح اُمت سے ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ فرمایا:

"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" (البقرہ ۲۸۵)

"رسولؐ بھی اپنے اوپر نازل شدہ اپنے رب کی وحی پر ایمان لایا اور اس کے ماننے والے بھی"۔

آیت مذکورہ بالا میں ایمان کے فوراً بعد مدد اور توقیر کا ذکر فرمایا ہے، یا اسے یوں کہیے کہ ایمان کی حقیقت بیان کر دی گئی ہے، بالفاظِ دیگر شجرِ ایمان کے سب سے اہم برگ و بار دکھا دیے گئے ہیں یا ایمان کے فوری اور لازمی تقاضے اور مطالبات کا ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن مدد کس کی؟ اللہ تعالیٰ کی؟ — رسولؐ کی؟ — یا دونوں کی؟

اس جملہ میں لفظ "اس" کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ علماء نے بہت سی باتیں کہی ہیں اس مقام کی لغوی اور علمی نزاکتیں بہت ہو سکتی ہیں مگر ایسے مقامات پر ایک مومن کا معیارِ مطلوب کچھ اور ہی ہے کہ وہ معنوی اور علمی نزاکتوں کے جھمیلوں میں پڑنے کے بجائے یہ دیکھے کہ دعوت و پیغام کیا ہے؟ عمل کون سا مطلوب ہے؟ ضمیر کا مرجع جو بھی ہو بہرحال واضح ہے کہ یہاں محض اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ ایمان و عمل سے عہدِ وفا باندھنے والوں کی مدد اور توقیر مراد ہے۔

بات واضح ہو جائے گی اگر ہم یہ دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں نصرت کی دعوت دی ہے،

مختلف انداز میں دی ہے۔ بعض مقامات پر دعوت کو خاص اپنے ساتھ مخصوص کیا اور پکار بلند فرمائی:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْآ اَنْصَارَ اللّٰہِ" (الصف-۱۴)

"اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے مددگار بن جاؤ"

کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ اللہ کی مدد بندہ کس طرح کرے مگر جو محبت اور وفا کی راہوں سے آشنا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ مسئلہ شرک کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس بات کی دعوت ہے کہ آدمی پوری حرارتِ ایمانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے کھڑا ہو جائے۔ پھر کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ جوڑ کر ذکر کیا ہے۔

"وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ" (الحدید)

"تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتا ہے۔"

اور کہیں اعانت و مدد کا یہ تذکرہ صرف رسولوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے:

"وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا"۔ (المائدہ -۱۲)

"اگر تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے"۔

چنانچہ ہم اس بحث سے ہٹ کر کہ یہاں اللہ کی مدد اور توقیر مراد ہے یا رسولؐ کی، صاف صاف پیغامِ قرآن یہ سنتے ہیں کہ اللہ کی مدد کرنا، اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اور اللہ کے دین کی مدد کرنا ایک ہی چیز ہے جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور ہر نقش جو اللہ کے رسولؐ نے چھوڑا اس پر چلنا اللہ کی محبت ہے۔

تو ہر وہ نقش جو نبیٔ رحمتؐ نے چھوڑا، خواہ وہ طائف کی وادیوں میں چھوڑا ہو یا مکہ کی گلیوں میں، یا بدر و حنین کے میدانوں میں نقش کیا ہو ان تمام نقوشِ پا پر چلنے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ دونوں کی مدد اور توقیر شامل ہے۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہاں مدد کا مطالبہ کرکے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جس ایمان کی دعوت دی جارہی ہے وہ روایتی اعلانِ ایمان نہیں ہے کہ جو چند الفاظ کے اظہار کے ساتھ زبان سے ادا ہوتا ہے بلکہ یہاں تو وہ ایمان مراد ہے کہ جو:

ایک معاہدہ ہے عمل ہے۔

معاہدہ ہے نصرت کا۔

معاہدہ ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کا۔

معاہدہ ہے رسولؐ کی پیشوائی میں کٹ مرنے کا۔

اِسی معاہدہ کو پورا کرنے کے لیے قافلۂ راہِ حق میں شمولیت اختیار کرنا ہے اور کلمۂ شہادت ادا کرنا ہے۔ اِس کلمے کی ادائیگی ہی اس بات کی علامت ہے کہ بندے نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ سے اپنے عہد کو پختہ کر لیا ہے۔

چنانچہ دیکھیے ایک جگہ فرمایا گیا کہ

"یہ بدوی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، ان سے کہہ دو، کہ تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ "ہم مطیع" ہو گئے ہیں۔ ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا" (الحجرات - ۱۴)

آگے فرمایا:

"مومن تو دراصل وہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ پھر کسی شک اور پچکپاہٹ میں مبتلا نہ ہوئے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مال سے جہاد کیا"

"وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الحجرات - ۱۵)

"اور انھوں نے اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

مومن وہ ہیں جو ایمان لائیں۔ اس پیرایہ بیان میں جو کچھ پوشیدہ ہے یہ بیان کر کے یہ بات کھول دی گئی ہے کہ جس ایمان کی تہہ میں شک و تذبذب کا شائبہ تک نہ ہو اور جان و مال کے

جہاد سے گریز نہ ہو وہی ایمان دراصل سچا ایمان ہے۔

یاد رکھیے ایمان محض چند الفاظ کی ادائیگی کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان اس معاہدہ کا نام ہے جس کے تحت ہم نے اپنا وقت، اپنی جان، اپنا مال غرضیکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے اور وہ اس معاہدہ کے بدلہ میں جنت کی ایسی نعمتیں عطا کرنے والا ہے جن کو انسان نے نہ دیکھا، نہ سُنا اور نہ کبھی سوچا۔

"إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ" (التوبہ: ۱۱۱)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں، مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔ ان سے جنت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے توراۃ اور انجیل اور قرآن میں، اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو۔ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

بے شک اپنے رب سے یہ سودا چکانے والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔

(باقی)

جامع اور موثر تحریکی کام کا خاکہ

جناب نعیم صدیقی صاحب

(۲)

کچھ نئے تجربات کے خاکے۔

ہ— دو چار، دس افراد کے وفود کا کسی شہری یا دیہی علاقے میں دعوت و رابطہ کے لیے نکلنا — ایک دن، یا دو دن یا تین دن کے سفر کا پروگرام۔

نمازوں کے بعد مساجد میں تقاریر (خدائے واحد کی پرستش کی تلقین، رسول اللہؐ کی فرمانبرداری، رزق حرام سے اجتناب، زبان، ہاتھ، پیسے اور دماغ سے ظلم یا شرارت کرنے سے اجتناب، مالی، دماغی اور جسمانی قوتوں سے قرابت داروں اور پڑوسیوں اور عام انسانوں کی خدمت و بہبود کے کام کرنا)۔

— بستیوں محلوں میں خاص خاص لوگوں سے مختصر ملاقاتیں اور حکیمانہ دعوتی گفتگو — (اس کام کے لیے ہر بڑی جماعت اپنے ہاں گروپ بنا لے)۔

ہ— کبھی کبھی دو تین گاؤں کے درمیان — اچھے موسم میں — دو روزہ یا سہ روزہ دعوتی و تربیتی کیمپ لگانا۔ کیمپ کے ارد گرد کے دیہات میں گروپوں کا جانا، مساجد میں نماز پڑھنا، اپنے تربیتی کیمپ کے درس میں شرکت کی دعوت دینا۔ لوگوں سے تعارف اور تعلق پیدا کرنا۔

اس دوران میں اپنے کھانے پینے کے انتظامات خود کرنا اور ڈیوٹیاں تقسیم

کرلینا۔ شام چائے کا انتظام ۔ رات کو پہرے کا انتظام ۔ روشنی کا اچھا انتظام۔ لیے کیمپ کے شرکا خاص تعداد میں ہونے چاہئیں۔

شہروں کے اندر بھی، خاص خاص مقامات ایسے مل جاتے ہیں جہاں اس طرح کے کیمپ کا قیام مفید ہو سکتا ہے۔

یہ پروگرام ہیں مقامی ضروریات اور شرکا کے مشورے کے مطابق تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

۵۔ مختلف شہروں و دیہی علاقوں میں فری آئی کیمپوں کا انتظام کرنا۔

۵۔ شہروں اور قصبوں کے ہسپتالوں میں نوجوانوں[1] کے تعاون سے مریضوں کی بھلائی کے لیے ڈیوٹیاں دینا۔ کام کا آغاز بعض بعض مقامات پر ایک ایک ہسپتال سے کیا جائے کم سے کم گروپ تین افراد کا ہونا چاہیے۔ کام یہ ہو کہ:

— جتنے وارڈوں میں ممکن ہو، مریضوں کے پاس جا کر حالات معلوم کیے جائیں اظہار ہمدردی کیا جائے، خاص تکالیف یا ضروریات معلوم کی جائیں۔

— ڈاکٹرز یا اسٹور سے کوئی معاملہ متعلق ہو تو تگ و دو کی جائے۔

— بازار سے کسی چیز کو منگوانے کی ضرورت ہو تو وہ پوری کر دی جائے۔

— مریضوں اور تیمارداروں کو بعض دعاؤں کی تلقین کی جائے۔

— بیماروں اور تیمارداروں میں سے جو پڑھ سکتے ہوں ان کو حسب ضرورت لٹریچر فراہم کیا جائے بلکہ ہو سکے تو مختلف وارڈوں میں کتابوں کا ایک سیٹ رکھا جائے۔

— اور خاص خاص رسائل و اخبارات جاری کرا دیے جائیں۔ اس غرض کے لیے ایک مخصوص رسالہ تیار کر کے پھیلایا جائے۔

[1] جماعت کے ارکان + کارکن + اسلامی جمعیت + طلبائے عربیہ + خدمت خلق کا جذبہ رکھنے والے شریف النفس افراد۔

٥ــ دعوت بذریعہ خط و کتابت ۔

رشتہ داروں، ہم عمروں، خاص خاص قابل طالب علموں، دوستوں وغیرہم کو نہایت درجہ اخلاص و محبت اور دردمندی سے دعوت الی اللہ کا پیغام خطوط کے ذریعے دیا جائے ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ واعظانہ رنگ سے ہٹ کر ادا کیا جائے ۔

٥ــ مختلف تقریبوں پر خوبصورت تہنیتی کارڈ برائے دعوت ۔

مثلاً عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، حج، محرم اور ربیع الاوّل کے مواقع پر ۔ دینی تاریخ کے خاص خاص ایام اور قومی دنوں (مثلاً یوم پاکستان) کے مواقع پر، عیسائیوں کو بھیجنے کے لیے کرسمس یا ایسٹر کے موقع پر ۔

عبارتیں خوبصورت ہوں، مختصر ہوں، دعوتی ہوں، حالات سے مربوط ہوں سادہ سی خوشنما ڈیزائننگ ہو ۔

یہ کام مختلف ضلعی جماعتیں کریں تاکہ کل پاکستان قسم کی یکسانی نہ پائی جائے ۔ ہمارے بعض سماجی، علمی اور خدمتی ادارے اور بعض خاص افراد بھی بطور خود اس تدبیر کو اختیار کر سکتے ہیں ۔

٥ــ شادی بیاہ کے موقعوں پر پارچات یا تحائف دینے میں خیال رکھا جائے کہ کچھ نہ کچھ دعوتی لٹریچر ضرور دیا جائے ۔ ازدواجی زندگی کے متعلق، اخلاق کے متعلق، ادعیہ و اذکار کے متعلق، پردے کے متعلق، خانگی فضا میں اسلامی قدروں کے غلبے کے متعلق اچھی چیزیں چھانٹ کر دی جا سکتی ہیں ۔

قرآن، ترجمہ قرآن، تفہیم القرآن، مجموعہ ہائے احادیث، سیرت کے متعلق کوئی اچھی کتاب، قصص انبیاء اور دیگر اچھے موضوعات پر اچھے لکھنے والوں کی تصانیف بھی پیش کی جا سکتی ہیں ۔

نوٹ :۔ تفہیم القرآن کے سیٹ کے متعلق مجھے یہ اندیشہ ہے کہ بعض گھروں میں یہ محض رنگ میں آرائش کے طور پر رکھ دیا جاتا ہے، لہٰذا زیادہ تر

صورتوں میں کوئی مختصر چیز دی جاسکتی ہے۔ مثلاً سورۂ نور اور سورۂ احزاب یا سورۂ یوسف کی تفسیریں۔ ایک صورت اس سے بھی آسان اور مختصر یہ ہے کہ کسی چھوٹی سورت، کسی ایک آیت (مثلاً آیت الکرسی) یا چند آیات کا متن مع ترجمہ از تفہیم القرآن خوبصورت لکھ کر فریم کرا دیا جائے اور اس کے نیچے تفہیم القرآن کا حوالہ لکھ دیا جائے۔

○ — اسی طرح کسی رخصت ہونے والے دوست یا عزیز، غیر ممالک میں رہنے والے واقف کاروں کو بھی دعوتی مقاصد سے خطوط اور تحائف بھیجے جاسکتے ہیں۔

○ — ڈائریاں اور کیلنڈر اور بیج وغیرہ۔

اب متعدد ڈائریاں اسلامی دعوت کے نقطۂ نظر سے چھپنے لگی ہیں اور اسی طرح کیلنڈر بھی۔ ان کو خریدا جائے، ان کو پھیلایا جائے اور ان کی فادیت سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔ اسی طرح بچوں کے لیے "اللہ" اور "اللہ اکبر" اور "علیہ السلام" وغیرہ کلمات پر مشتمل بیجز تیار کرائے جاتے رہیں اور مفت یا ارزاں قیمت پر فراہم کیے جائیں۔ گاڑیوں میں لگانے کے خوبصورت اسٹکرز بھی فراہم کیے جائیں۔

○ — بچوں کے انعامی مقابلے۔

کالج کی سطح کے طلبہ اور میٹرک اور مڈل اور پرائمری طلبہ کے درمیان اعلان عام کر کے قرآن، سیرتِ پاک، حالاتِ صحابہ، تاریخِ ملتِ اسلامیہ، نماز، زکوٰۃ، روزے، حج اور جہاد کے موضوعات پر مختلف شہروں میں مقابلے کرائے جائیں اور مقامی یا ضلعی یا صوبائی امیر کے ہاتھوں سے انعامات تقسیم ہوں۔

○ — قابل طلبہ کی حوصلہ افزائی۔

کسی ضلع یا کسی شہر یا اس کے کسی خاص علاقے میں، کسی قصبے میں مختلف مدارس میں اوّل آنے والے طلبہ کو مع ان کے والدین کے مجلس میں مدعو کیا جائے۔ اور ان کی ضیافت کا انتظام کیا جائے، اُن کی حوصلہ افزائی

کی جائے۔

دس سال کی عمر تک کے لائق بچوں کی فہرستیں بنائی جائیں اور ان کو اس طرز کی اخلاقی کہانیاں روانہ کی جائیں جیسی ہمدرد نونہال کے عنوان سے چھپتی ہیں۔ یہ مستقل رابطہ قائم رکھنے کی صورت ہے۔

زیادہ بڑے بچوں کے لیے ایک ورق کے ایک طرف اسلام کے بارے میں اہم معلومات اور دوسری طرف جغرافیائی، تاریخی اور سائنسی معلومات چھاپ کر ماہانہ روانہ کی جاتی رہیں۔

قابل طلبہ کی جو فہرستیں تیار ہوں، ان میں سے جن کی ترقی میں مالی مشکلات حائل ہوں اُن کے لیے خاص خاص لوگوں سے مل کر فنڈ حاصل کیا جائے اور مدد دی جائے۔

کالجوں کے جو طلبہ بحث اور تقریر کے ماہر ہوں یا لکھنے میں دستگاہ رکھتے ہوں، ان پر خاص توجہ دی جائے اور ان کو اپنی علمی محفلوں اور ادبی حلقوں میں مدعو کیا جائے۔

۵ــــ اپنے زیر اہتمام مدارس میں۔

جو مدارس اپنے زیر اہتمام چل رہے ہوں ان میں پروجیکٹ مینتھڈ اختیار کر کے مختلف مہینوں میں مختلف موضوعات پر اُردو، انگریزی، جغرافیہ، تاریخ، اور حساب میں کام کرایا جائے۔ مثلاً محرم، ربیع الاول، رمضان، ذی الحجہ اور قومی زندگی سے مختلف مباحث، جیسے قرارداد ۱۹۴۰ء اور قرارداد مقاصد

اپنے مدارس میں یوم والدین خاص اہتمام سے منایا جانا چاہیے اور اس یوم کو دعوتِ اسلامی کا ذریعہ بھی بنانا چاہیے۔

اپنے مدارس میں اسلامی تہذیب کے مقرر کردہ ان تمام شعائر و اطوار کو رائج کرنے کا اہتمام درجہ اولیٰ ہی سے شروع کر دینا چاہیے جو معاشرے میں کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔ آداب احترام، آداب استنجا، تولیے اور رومال

کا استعمال، کھانسی، چھینک اور جمائی کے متعلق اسلامی طریقہ، آدابِ اکل و شرب، افشائے سلام، صفائی کا اہتمام، غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگنا، معافی مانگنے والے کو معاف کر دینا، راستوں میں کوڑا نہ پھیلانا، درختوں اور پھولوں کو نقصان نہ پہنچانا، پڑوسیوں اور ملنے والوں کو اذیت نہ دینا وغیرہ۔

اپنے مدارس میں حسبِ ذیل اقسام کے انعامات کی تقسیم:۔

۱۔ قابلیت ۲۔ حاضری ۳۔ آداب ۴۔ صفائی

(جسم، لباس، دانتوں، آنکھوں، ناخنوں، ناک، کتابوں، بالوں کی صفائی)

۵۔ حاضری ۶۔ اسلامی لحاظ سے بہتر مقام (نماز، قرآن، اسلامی مطالعہ وغیرہ)۔

(لطیفہ حکمت سید مودودیؒ)

عید کی مبارک باد کے حقیقی مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے رمضان المبارک میں روزے رکھے قرآن مجید کی ہدایت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی فکر کی، اس کو پڑھا، سمجھا، اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی اور تقویٰ کی اس تربیت کا فائدہ اٹھایا جو رمضان المبارک ایک مومن کو دیتا ہے۔

(تلخیص کردہ اقتباسات از ترجمان القرآن - فروری ۱۹۶۷ء)

مغرب، مساواتِ مردو زن اور اسلام

ذیل کی تحریر یونیورسٹی کی ایک عزیزہ طالبہ کے سوالات کے جواب میں لکھی گئی، جن کو ایم۔اے کی ڈگری کے لیے مقالہ لکھنا تھا۔ (ف۔ ص)

مغرب میں اصلاحِ مذہب (REFORMATION) اور احیائے علوم (RENAISSANCE) کی تحریکوں کے بعد لبرلزم کی تحریکیں معاشرے پر اس طرح اثر انداز ہوئیں کہ نظامِ مذہب و اخلاق کی چولیں ہل گئیں۔ ناقص، مرکب اور جامد مذہبیت نے عقلی بیداری کا مقابلہ کلیسا کی قائم کردہ ایسی جبر کیش عدالتوں (INQUISITIONS) سے کیا جن میں دلیل، وکیل اور اپیل کے لیے کوئی راستہ نہ تھا۔ ان عدالتوں نے ہر اخلاقی آواز پر، خواہ کتنی ہی مبنی بر صداقت اور ثابت بہ مشاہدہ ہو، نہایت اہم لوگوں پر سنگین اور بہیمانہ سزائیں نافذ کیں اور ان سزاؤں کا نشانہ بڑی کثیر تعداد بنی۔ مگر جبریت کا ہتھیار بڑی جلدی کُند ہو جاتا ہے، چنانچہ مذہبیت کے خلاف علمی اور عقلی دائروں میں ایسی بغاوت اُبھری کہ جس نے اجتماعی زندگی کے تمام معاملات سے مذہب کو بے دخل کر دیا اور انفرادی معاملات میں ہر فرد کو آزادی دلوادی کہ جس کا جو جی چاہے، سوچے اور کرے۔

مذہب و اخلاق کی اس شکست کے دور میں خاندانی نظام ایک ایسی پناہ گاہ تھا، جہاں عقیدے اور اخلاقی روایات سر چھپائے ہوئے تھیں، مگر صنعتی انقلاب جب نمودار ہوا تو اُس نے خاندانی نظام کو بھی تہس نہس کر دیا۔

ایسی فضا تھی کہ مشین ایجاد ہوئی اور کارخانے کھلنے لگے اور مزدوروں کی نئی مارکیٹ کھل گئی۔ اس مارکیٹ میں جہاں مشین کی وجہ سے بے روزگار ہونے والے محنت کش آنے لگے، وہاں دیہات سے بھی لوگ نقد آمدنی کے لالچ میں لپکے۔ آمدنی تو تھی مگر شہر کے اخراجات بھی زیادہ تھے، اس لیے لوگ عورتوں کو بھی مزدوری کے لیے ساتھ لانے لگے۔ یہ سیلاب جب بڑھا تو کارخانوں میں مردوں اور عورتوں کے اکٹھے کام کرنے سے اور تنگ جگہوں میں مل جل کر رہنے سے علیحدگیٔ صنفین اور شرم و حیا اور عورتوں کی مخصوص فطری ذمہ داریوں کے تصورات کچلے جانے لگے۔ یہ سلسلہ جوں جوں آگے بڑھا، نسوانیت، جنسی رابطے اور عصمت و عفت کے نئے نئے نظریے وجود میں آتے گئے۔ ازاں جملہ ایک نظریہ "مساواتِ مرد و زن" کا نظریہ بھی تھا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ عورت فطرت کی عائد کردہ اختصاصی ذمہ داریاں بھی ادا کرے۔ اور اس کے ساتھ ان سخت کاموں میں بھی زیادہ سے زیادہ حصہ لے جو فطری لحاظ سے مرد کے لیے خاص تھے ___ ساتھ کے ساتھ تیسری ذمہ داری عورت کے سر یہ بھی آپڑی کہ وہ ہر ادارے اور شعبے میں بن سنور کر مرد کی تفریح کا سامان بھی بنے اور عیش و طرب کے اڈوں میں اپنی خدمات پیش کرے۔ اس نظریۂ مساوات نے چونکہ عورت کو خاندانی قوامیت سے بالکل آزاد قرار دیا اور اس کا کوئی ولی اور نگہبان نہ رہا، اس لیے وہ نظریۂ مساوات کے نشے میں بہک کر وقت کی لہروں میں بہ نکلی۔

مغرب کے نظریۂ مساواتِ مرد و زن کے غلط پہلو یہ ہیں:

۱___ مساواتِ حقوق کے بجائے فرائضِ نسوانیت کی زیادتی اس میں مضمر ہے، یعنی عورت کو عورت کے فرائض بھی انجام دینے چاہییں اور جو کام مرد کرتا ہو وہ سب بھی عورت کو کرنے چاہییں۔

۲___ عورت مرد کی قوامیت (لیڈرشپ) سے آزاد ہے، نہ اس کا کوئی ولی ہے اور نہ قوام ___ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ خاندانی نظام کالعدم ہوا۔

۳___ عورت کی کفالت یا اس کے تحفظ کی ذمہ داری مرد پر اصولاً نہیں ہے (بس روایتاً کچھ چیزیں باقی ہیں)، وہ اپنی کمائی خود کرے اور اپنا تحفظ آپ کرے، یعنی وہ اب معاشرے

بس ایک سستا شکار ہے تمام مردوں کے لیے[1]۔ جو بھی حُسن و خوبی سے اسے دام میں لے سکے، لے لے۔ کوئی تیسرا دخل دینے والا نہیں ہے۔

۴۔ اِس نظریۂ مساوات نے حقیقی مساوات کو اس لیے درہم برہم کر دیا کہ عورت پر پرورشِ نسل کی جو ذمہ داری فطرت نے ڈالی تھی وہ تو اپنی جگہ برقرار ہے اور اسے کوئی مرد انجام نہیں دے سکتا[2]۔ اس کے ساتھ اسے مرد کے تمدنی فرائض کا بوجھ بھی اُٹھانا پڑتا ہے اور وہ اپنی جس نسائیت کو پہلے ایک مرد کے لیے سرمایۂ تسکین بناتی تھی، اب اُسی کو وہ دولت کی خاطر صد ہزار مردوں کے لیے استعمال کرتی ہے، یعنی مرد کے اکہرے بوجھ کے مقابلے میں عورت پر تہرا بوجھ پڑ گیا ہے۔

۵۔ اِس نظریۂ مساوات کی وجہ سے بیشتر صورتوں میں ازدواجی تعلق کا حال ایسا ہو گیا ہے جیسے ایک نیام میں دو تلواریں ہوں۔ نتیجہ یہ کہ جدید مغربی عورتوں کی ایک بڑی تعداد ماری ماری پھرتی اور طرح طرح سے ذلیل ہوتی ہے، مگر کوئی اُس سے شادی کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

---

[1] عیش و طرب کے تمام ادارے، بدکاری کے تمام اڈے، منشیات کے کاروبار کے مراکز جن سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہیں، وہ روپیہ دے کر عورت کو جیسے چاہیں استعمال کرتے ہیں، وہ روپے کی خاطر اسٹیجوں پر عریاں ہو سکتی ہے، بلیو فلموں میں انتہائی شنیع و مکروہ کردار ادا کر سکتی ہے، سرمایہ دار جو کچھ چاہیں وہ اسے بھگتنا پڑتا ہے۔ پھر حکومتوں کے جاسوسی ادارے اور مجرموں کی تنظیمیں عورتوں کو اپنا آلۂ کار بناتی ہیں۔ فلم کے کاروبار کو چمکانے کے لیے اور دفتروں کی پروڈکشن بنانے کے لیے بھی عورت کو کام میں لایا جاتا ہے، حتیٰ کہ اشیا کے لیبلوں اور اشتہارات کو عورت کی تصاویر کے ذریعے دلکش بنایا جاتا ہے۔

[2] شاید اب ٹسٹ ٹیوب بچوں کا تجربہ عورت کا بوجھ ہلکا کر دے، مگر اس کی خرابیوں کا ازالہ مشکل ہے۔

۳۵-۴۰ سال تک انتظار کرنے کے بعد آخرِ دورِ یاس شروع ہو جاتا ہے اور اس دوران یہ مسترد شدہ عورتیں گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتی پھرتی ہیں۔ عورت کے ہاتھوں میں جب سے نظریۂ مساوات نے تلوار تھمائی ہے اس کے بعد مغربی معاشروں میں آہستہ آہستہ ہم جنسی اختلاط کی وبا پھیلتی رہی ہے، یہاں تک کہ اب تو ہم جنسی شادیاں علی الاعلان ہوتے لگی ہیں۔ اور قانون نے ان کو جائز قرار دے دیا ہے۔ ازدواجی تعلق میں نظریۂ مساوات نے جو رخنے ڈالے ہیں ان کی وجہ سے کنواری ماؤں اور حرام اولادوں کا تناسب مسلسل بڑھ رہا ہے۔ یہ صورتِ احوال خود گواہ ہے کہ بُرے نتائج کی بنیاد اسی غلط نظریے پر ہے۔

(۲)

اسلام میں بہ حیثیت انسان بھی مرد اور عورت برابر ہیں اور بہ حیثیت مسلمان بھی اور اعتقادی لحاظ سے بھی ان میں مساوات ہے، یعنی دونوں کے لیے ایک ہی نظامِ عقائد ہے۔ دونوں کے جنت میں مقیم رہنے، دونوں کے اکٹھے لغزش کھانے اور دونوں کے زمین پر بھیجے جانے اور دونوں کی طرف سے توبہ کرنے اور توبہ قبول کیے جانے کے احوال یکساں ہیں۔ اخلاقی لحاظ سے دونوں میں مساوات ہے، یعنی دونوں کے لیے فضائلِ اخلاق اور رذائلِ اخلاق کی راہیں ایک جیسی ہیں۔ دونوں کے نیکی اور بدی کرنے کا بدلہ یکساں ہے، دونوں میں سے تقویٰ میں جو جتنا بڑھ جائے اتنا ہی مرتبہ وہ پا سکتا ہے۔ دونوں کے لیے حلال و حرام کی حدود مقرر ہیں، دونوں میں سے جس کو تکلیف پہنچے وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور دونوں میں سے جو بھی مجرم ہو وہ اپنی مقررہ سزا پائے گا۔ ایک کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دی جا سکتی۔ علمی لحاظ سے دونوں پر علمِ دین حاصل کرنا فرض اور بعض دوسرے علوم حاصل کرنا مسنون اور مندوب ہے۔ دونوں پر دعوتِ حق کے پھیلانے کی ذمہ داری برابر ہے۔ دونوں کو رائے دہی اور تنقید و محاسبہ کا حق بھی ایک ہی جیسا ملا ہے۔ دونوں معاشی ملکیت کے لحاظ سے بھی ایک ہی سطح پر ہیں۔ جس کی جو ملکیت ہو اس میں وہ ہر جائز تصرف کر سکتا ہے۔

دونوں میں دو بڑے بنیادی فرق ان کی فطری صلاحیتوں اور جسمانی ساخت، اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے ہیں:

پہلا فرق یہ ہے کہ تمدن کے تمام سخت اور بھاری اور بیرونِ خانہ کے کام مرد کے ذمہ ڈالے گئے ہیں، اور عورت پر اصل بنیادی ذمہ داری نسلوں کی پرورش اور گھر کی فضا کو سنوار کر اس میں ان کی تربیت کرنے کی ہے۔ اس کے ساتھ کچھ ہلکے پھلکے آسان مشاغل بھی وہ اختیار کر سکتی ہے اور بعض ناگزیر تمدنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر بھی استثنائی طور پر کام کر سکتی ہے، جیسے عورتوں کی تعلیم، عورتوں میں دعوت و تبلیغ کا کام، عورتوں کا علاج معالجہ وغیرہ۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ چونکہ نسائیت میں ایک جنسی کشش اور آکساہٹ فطرت نے رکھی ہے اور مرد میں اشتعال پذیری اور رجاحیت، اور اگر مشتعل جذبوں کی راہ میں عملی رکاوٹیں ہوں تو ذہنوں کے اندر مسلسل آتش فشانی کی وجہ سے تعمیری قوتوں کی تباہی، اس لیے عین فطری بنیادوں پر ضروری ہوا کہ معاشرے کو فطری ہیجانات اور بدکاری سے بچانے کے لیے علیحدگی صنفین کا اصول اختیار کیا جائے۔ اسی لیے عورت کو حکم ہوا کہ وہ اپنا اصل دائرۂ کار گھر کو بنائے، گھر سے باہر نکلے تو حجاب کے قانون پر عمل کرے اور مخلوط مجالس اور تقاریب میں بے محابا شرکت نہ کرے۔

یہ دونوں فرق ایسے ہیں جو عورت سے کچھ چھینتے نہیں بلکہ اسے تحفظ اور امن اور سلامتی دلواتے ہیں۔

باقی چند فروق جزئی ہیں، جو انہی دو اصولی باتوں کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱- گھر اور خاندان کے نظامِ کار کی تشکیل یوں کی گئی ہے کہ عورت گھر کا داخلی نظم و نسق چلائے گی مگر پورے نظام کی لیڈرشپ مرد کے ہاتھ میں ہوگی، جس کے ساتھ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ عورت کی حفاظت و کفالت کا ذمہ دار ہو۔

۲- عورت کو تاکید کی گئی کہ مرد کی اطاعت (فی المعروف) کرے اور نشوز نہ کرے، دوسری طرف مردوں کو تلقین کی گئی کہ عورتوں سے حسنِ سلوک کریں اور ان سے ملاطفت سے پیش آئیں۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا رویہ رکھتا ہے۔ مرد کو بتایا گیا کہ یہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس امانت ہے، تم نے اللہ کے نام پر ان کے جسموں کو اپنے لیے حلال کیا ہے، لہٰذا ان سے حسن و خوبی کا برتاؤ کرو۔

۳- مرد کو جو لیڈرشپ دی گئی ہے اس کی وجہ سے وہ باپ، بھائی یا دادا ریا کوئی

اور قریبی رشتہ رکھتے ہوئے عورت کو کسی کے نکاح میں دینے کے لیے "ولی" بنتا ہے۔ ولی کے ہوتے ہوئے عورت کا از خود نکاح کر لینا اچھی صورت نہیں، اِلّا آنکہ اس کا ولی ایمانی یا اخلاقی رویّے کے لحاظ سے اپنا فرض سچائی اور انصاف کے ساتھ ادا نہ کر سکتا ہو، یا اُسے کسی وجہ سے عورت سے بغض ہو اور وہ اُسے نقصان پہنچانا چاہے۔

۴ — عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں رہے، نکلے تو اُس کی اجازت سے نکلے، اور جس کسی کا گھر میں آنا اُس کو پسند نہ ہو، اُسے نہ آنے دے۔

۵ — عورت کی کفالت پہلے حصّہ عمر میں ماں باپ کے گھر کی ذمہ داری ہوتی ہے اور بعد میں شوہر کی۔ پھر اُسے جو جہیز، مہر یا میراث کا حصّہ کسی کی طرف سے ملتا ہے تو وہ اُس کی بالکلیہ مالک ہوتی ہے۔ اور کسی کی کفالت کی قانونی ذمہ داری اس پر نہیں ہے۔

ان وجوہ سے ۲ چیزوں میں فرق آجاتا ہے:

ا — ایک یہ کہ وہ میراث میں مرد کے مقابلے میں ہر قسم کی صورت میں نصف حصّہ پاتی ہے۔

ب — دوسرے یہ کہ چونکہ اس پر کسی کی کفالت کا انحصار نہیں ہے، اس لیے قتلِ خطا میں (اور صرف قتلِ خطا میں) وہ اگر مقتول ہو جائے تو قاتل کے عاقلہ (خاندان یا دوسری مؤثر گروہ بندیوں) کی طرف سے بطور کفارہ اس کے پس ماندگان کو نصف دیت ملے گی۔ یہ صرف معاشی و معاشرتی حالات کی بنا پر ہے۔ اس میں عورت مرد کی مساوات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔[1]

۶ — جہاد، تجارت و صنعت، مزدوری اور بیرونِ خانہ کے تمام مشکل کاموں سے اس کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے، حتیٰ کہ مسجد میں اس کا نماز پڑھنا اگرچہ کچھ پابندیوں کے ساتھ جائز ہے مگر

---

[1] اس وقت بھی بعض محکموں کے پنشن خواروں کی موت کے بعد نصف پنشن کے حقدار جو لوگ ٹھہرتے ہیں اُن میں مرد و عورت میں فرق کیا گیا ہے۔ اس پر تو مساواتِ مرد و زن کے علمبرداروں کی کبھی توجہ نہ ہوئی، لے دے کے سارا کرم شریعت اسلامی پر ہے۔

گھر کی تنہائی میں پڑھی جانے والی نماز افضل ہے۔
اس کے بدل میں شوہر کی دلجوئی، بچوں کی پرورش و تربیت اور دیگر گھریلو کاموں میں عورت کے لیے اتنا ہی اجر رکھا گیا ہے جتنا جہاد اور دوسری بیرونی سرگرمیوں میں مردوں کے لیے ہے۔

۷۔ عورت کو جب گھر کی سلطنت چلانے کے لیے (المرأۃ راعیۃ علیٰ بیت زوجھا) ہمہ وقتی کارکن کی حیثیت دی گئی ہے تو اسے ۲ چیزوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے:
اول: سیاسی قیادت و امارت سے، جس کے لیے وسیع معاشرتی روابط رکھ کر اور چل پھر کر اچھے اور بُرے احوال کا شعور حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح سپہ سالاری اور دوسرے اعلیٰ عہدوں کا معاملہ ہے۔
دوم: عہدۂ قضا سے، کیونکہ اس کے لیے قانون کو کتابی طور پر پڑھنے کے لیے انسانی معاملات کی وسیع سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔
یہ دونوں کام پارٹ ٹائم کاموں کی حیثیت سے نہیں ہو سکتے۔
البتہ رائے دہی، تنقید یا احتساب کا سیاسی حق اس کو حاصل ہے اور یہ حق قرونِ اولیٰ میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔

۸۔ عورت کی گواہی کو بعض کے نزدیک تمام معاملات میں، اور بعض کے نزدیک دیوانی معاملات میں نصف قرار دیا گیا ہے، یعنی ۲ عورتیں اگر مل کر شہادت دیں تو وہ ایک شہادت شمار ہوگی۔ فوجداری معاملات میں تو عورت کا استثنیٰ ہی معقول نظر آتا ہے۔ کیونکہ قتل، مقاتلے، لڑائی دنگے، چوری ڈاکے وغیرہ جرائم میں گھریلو عورت کہاں براہِ راست گواہ بن سکتی ہے اور بنے بھی تو وہ جزئیات و تفاصیل کو کیسے ذہن میں محفوظ رکھ سکتی ہے اور پھر عدالت میں وہ جرح کا مقابلہ کس حد تک کر سکتی ہے؟ وہ تو جرائم کی دُنیا سے بہت دُور رہتی ہے اور اُسے اپنے فرائضِ منصبی کے لحاظ سے دُور رہنا چاہیے۔
لیکن اس میں بھی استثنیٰ ہیں: ایک یہ کہ اگر گھر میں مجرم داخل ہو کر قتل یا چوری کرتے ہیں اور وہ تنہا ہی اس کی گواہ بن سکتی ہے تو اس کی گواہی قابلِ قبول ہوگی۔ اگر عورتوں کے کسی مجمع میں کوئی

جرم ہو جاتا ہے تو عورتیں ہی اس کی گواہی دینے والی ہو سکتی ہیں - اسی طرح نسوانی معاملات ، مثلاً حمل ، رضاعت اور اس قسم کے دوسرے معاملات میں عورتوں ہی سے گواہی لی جائے گی۔

عام فوجداری مقدمات میں بھی قانون یہ ہے کہ محض کسی عورت کی شہادت پر حد جاری نہیں کی جا سکتی ؎ اس کے ساتھ اور بھی گواہیاں اور قرائن ہونے چاہئیں ۔ پھر حد جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اگر جرم قرائن کی مدد سے ثابت ہو جائے تو کوئی تعزیر بھی نہیں دی جا سکتی ۔

عورت کے لئے یہ ممانعت نہیں ہے کہ وہ کسی فوجداری جرم کے سلسلے میں عدالت میں داخل نہیں ہو سکتی ۔ وہ جا سکتی ہے ، اپنی گواہی ریکارڈ کرا سکتی ہے جسے دوسری شہادتوں اور قرائن کے ساتھ رکھ کر دیکھا جائے گا ۔ بہ حیثیت مدعی بھی وہ استغاثہ لے کر جا سکتی ہے (اور اس صورت میں بھی وہ گواہ ہی ہوتی ہے) ۔

اس طرح کے چند جزئی فرق جو بعض اہم حقائق پر مبنی ہیں ، اصولِ مساوات کو نہیں توڑتے ، جدید نظریہ مساوات کے معنی تو یہ ہیں کہ میز اور کرسی کو برابر قرار دے کر آدمی کرسی کو میز کی جگہ اور میز کو کرسی کی جگہ استعمال کرے ورنہ ان میں عدم مساوات پیدا ہو جائے گی ۔

(۳)

مغربی تہذیب یوں تو الحاد کی تہذیب ہے مگر اس کے پیچھے روایت پرست عیسائی ذہن بھی پورے تعصب سے کام کرتا ہے ۔ اس تہذیب کے علمبرداروں کو چونکہ پہلے مسلمانوں کی فتوحات نے دہلا دیا تھا ، پھر دورِ زوال کے آغاز میں صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو یروشلم سے کھدیڑا تھا ، پھر جب

؎ لوگ نہیں سوچتے کہ اکثر مقدمات میں محض ایک مرد کی شہادت پر بھی فیصلہ نہیں ہوتا ۔ پھر بدکاری کے مقدموں میں ایک نہیں ، تین تین مردوں کی گواہی بھی قبول نہیں کی جاتی ۔ چار ہوں تو اُن کی شہادت کے ہم آہنگ ہونے پر فیصلہ ہوتا ہے ۔ یہاں اگر ایک ، دو یا تین مردوں کی توہین نہیں ہوتی اور مرد اور مرد کے درمیان مساوات پر اثر نہیں پڑتا تو قانونی شہادت کے بعض دوسرے اجزا سے مساواتِ مرد و زن پر کیوں اثر پڑتا ہے ؟

مغربی استعمار کا اقدام شروع ہوا تو مسلمانوں نے ملک بہ ملک شدید مزاحمت دکھائی۔ اس وجہ سے مغربی دنیا میں ایک شدید مستقل انتقامی جذبہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑھتا گیا۔ اب مغرب کی دو صدیوں سے کوشش یہ ہے کہ مسلمان معاشروں کو اسلام کی اعتقادی اور اخلاقی بنیادوں سے اکھیڑ دے اور پھر ان کو تر نوالہ بنائے اور اپنی تہذیب کے لئے جو خطرہ مسلمانوں کی طرف سے اسے دکھائی دے رہا ہے اس کو جلد کچل دے۔

اس مقصد سے فکری کام ہو رہا ہے، علمی و تحقیقی سرگرمیاں جاری ہیں، "ایڈ" کے جال ڈالے جا رہے ہیں، وفود کے تبادلے ہو رہے ہیں، ماہرین مامور کئے جا رہے ہیں، جاسوسی کا عمل جاری ہے، مستشرقین نوجوانوں کو بہکانے کے لئے کام کر رہے ہیں، پادری عیسائیت پھیلانے میں سرگرم ہیں۔ گندی فلمیں اور تصویریں بھجوائی جا رہی ہیں، بے مقصد اور مخالفِ اسلام ادبی نظریات ہم پہ ٹھونسے جا رہے ہیں، ثقافت کے عریاں مظاہرے ہیں، بے حیائی پھیلانے کی کوششیں ہیں۔ اور اب مدت کے تجربے کے بعد مغرب نے ہمارے گھروں میں نقب لگا کر عورت کو اپنے طلسم میں جکڑنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں تاکہ گھر کی وہ پناہ گاہ اجڑ جائے جہاں اسلامی اقدار و روایات کو عورت سنبھالے بیٹھی ہے اور وہ نئی نسلوں میں ان کو منتقل کرتی چلی آ رہی ہے اور ادھر ہمارے ہاں کی تعلیمیافتہ عورت ان پڑھ عورتوں سے زیادہ بھولی بھالی نظر آ رہی ہے یعنی بجائے اس کے کہ وہ اس فکری اور ثقافتی استعمار کی یلغار کو تعلیم کے ذریعے سمجھ کر اپنے طور طریقوں پر ڈٹ جاتی اور زمانے کی یورش کا مقابلہ کرتی اور اس کام کے لئے نیم خواندہ اور ان پڑھ عورتوں کو بھی منظم کرتی، اس نے اپنی ماڈرن تنظیموں کے ذریعے ثقافتی استعمار کی ایجنسی سنبھال لی ہے۔ وہ برائے جال ہاتھ میں لئے پھرتی ہے اور عورتوں اور لڑکیوں کو مائل کرتی ہے کہ اس کے حلقوں میں گردنیں ڈال دو بڑی ترقی کر جاؤ گی۔ وہ دوسری عورتوں کو گھروں سے نکلوانے کے درپے ہے، وہ برقعے اتروا رہی ہے، وہ دوپٹے چاک کرا رہی ہے، وہ سینوں اور بانہوں اور پنڈلیوں کو عریاں کرا رہی ہے، وہ رقص و سرود کے چسکے پھیلا رہی ہے۔ وہ مخلوط مجالس و تقاریب کی وبا کو عام کر کے اس میں زینتوں اور فیشنوں کا مظاہرہ کرانے کا درس دے رہی ہے۔

اور اس ماڈرن، طلسم زدہ مغرب خاتون کے پیچھے یہاں کے الحادی، سیکولر، کمیونسٹ اور دوسرے مخالفِ اسلام حلقے اور ان کے اخبارات بھرپور کام کر رہے ہیں اور اس سارے "نیک کام" کی پشت پناہی

الحادی تہذیب کے سامراجی پاسبان کر رہے ہیں۔

اس چڑھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے حسب ذیل تدابیر ضروری ہیں:

۱۔ عورتوں اور طالبات اور دیگر نوجوان لڑکیوں کے ایسے حلقے قائم ہوں جو قرآن و سنّت کے اصولوں کے سانچے میں اپنی زندگیاں ڈھالنے اور قانونِ حجاب کی سچے دل سے مکمل پابندی کرنے، نیز مخلوط اداروں اور مجالس سے پرہیز کرنے کا تہیہ کر لیں، پھر اسی مسلک کی دعوت دوسری خواتین اور طالبات میں پھیلا کر ان کو منظم کریں۔

۲۔ اس مقصد کے لئے جو مفید لٹریچر موجود ہے اس کو پھیلایا جائے اور ساتھ کے ساتھ جیسے لٹریچر کی ضرورت پڑے، تیار کیا یا کرایا جائے۔

۳۔ خواتین اور طالبات کے اجلاسوں اور ادبی نشستوں اور تربیت گاہوں میں مغرب کے فتنہ ہائے ناپاک کی قلعی کھولنے کے علاوہ ماڈرن خواتین اور ان کے حمایتیوں کی حرکات کا کڑا احتساب کیا جائے۔

۴۔ اس وقت "نظریۂ مساواتِ مرد و زن" کے علمبردار مغرب کے معاشروں میں جو گندگیاں پیدا ہو چکی ہیں، اور عورت جس حالِ زار سے دوچار ہے ان موضوعات پر تحقیقی کام کر کے صحیح تصویر سامنے لائی جائے۔

۵۔ مخلوط مجالس کا بر سرِ عام (پبلک) انعقاد ممنوع قرار دلوایا جائے اور بطورِ خاص سرکاری ملازمین اور ان کی بیگمات کے لئے ایسے کسی اجتماع میں شرکت ناجائز قرار دی جائے،

۶۔ مخلوط تعلیم کا نظام ختم کر دیا جائے اور کوئی مرد کسی زنانہ درس گاہ میں مہمانِ خصوصی بن کر یا انعامات اور اسناد کا تقسیم کنندہ بن کر داخل نہ ہو، سب سے پہلے حکومت سے متعلق لوگوں کو سختی سے روک دیا جائے۔

۷۔ جن دفاتر، ہسپتالوں یا کارخانوں میں عورتیں کام کر رہی ہیں ان کو تاکید کی جائے کہ عورتوں کے لئے الگ کمرے یا الگ جگہ بیٹھنے کا انتظام کریں، نیز عورتوں کو کم سے کم ہلکے درجے کے پردے (یعنی بڑی چادر کا استعمال) کا پابند کیا جائے۔

۸۔ ذی شعور خواتین ڈاکٹر ہسپتالوں میں کام کرتے ہوئے یا دوسری جگہوں میں برقعے کی پابندی

کریں، چادر کا استعمال بدرجۂ اقل گوارا کیا جا سکتا ہے۔[1]

۹۔ طب یا تعلیم یا کسی اور شعبے میں عورتوں کی بھرتی کرنے کے لئے انٹرویو لینے والے بورڈ عورتوں ہی پر مشتمل ہونے چاہئیں۔

۱۰۔ خواتین مریضوں کو ہسپتالوں میں لیڈی ڈاکٹر یا لیڈی ہیلتھ وزیٹرز ہی اٹنڈ کریں خصوصاً زچگی کے دائرے میں کسی مرد کی دخل اندازی ممنوع ہونی چاہیئے اور اس قاعدے کو نافذ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ زنانہ ہیلتھ سنٹر قصبوں اور بڑے دیہات تک میں کھولے جائیں اور تمام ہسپتالوں میں خواتین مریضوں کے لئے لازماً لیڈی ڈاکٹرز موجود ہوں۔

۱۱۔ خواتین اور طالبات کے لئے ہر بڑے شہر اور قصبے میں کھیل کے ایسے باپردہ میدان بنائے جائیں جن کے گرد چار دیواری ہو اور جن میں کسی مرد کو جانے کی اجازت نہ ہو۔

۱۲۔ نصابیات کی چھان بین کر کے دیکھا جائے کہ سنجیدہ سطح سے گرا ہوا فحش مواد اگر ان میں پایا جائے تو اُسے نکال دیا جائے۔

۱۳۔ خواتین کی کوئی تصویر چھوٹے سے مقررہ سائز سے زیادہ سائز کی، اخبارات و جرائد میں چھاپنا ممنوع کر دیا جائے۔ اور وہ صرف ایسی اہم خبروں کے ساتھ استعمال ہوں جن کے ساتھ تصویر کے ہونے کی اہمیت واضح ہو۔ عموماً خواتین کی تصاویر بناؤ سنگھار اور فیشنوں کے ساتھ شائع نہ کی جائیں اور نہ آراستہ کیے ہوئے کھلے سروں میں دکھائی جائیں۔

---

[1] قرآنی جلباب کا استعمال بالکل اور طرح تھا۔ ایک لمبی چوڑی چادر لی جاتی جس میں تمام جسم اور پورا لباس ڈھنپ جاتا اور جس کے پلو چہرے پر اس طرح پکڑ کے رکھے جاتے کہ آنکھیں یا پیشانی اور ناک تو سامنے ہوں باقی چہرہ چھپا رہے، مگر آج کل چادر اول تو ایسی ڈیزائن دار استعمال کی جاتی ہے جو بجائے خود زینت کی تعریف میں داخل ہے، مزید یہ کہ جلباب سے چھوٹی ہوتی ہے پھر اُسے اس طرح اوڑھا جاتا ہے کہ پردہ پوشی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ جلباب تمدنی ترقی کے ساتھ برقعے میں اس لیے بدلی تھی کہ چادر تیز ہوا میں اُڑتی ہو تو اُس کا تھامنا مشکل ہو جاتا۔ اس چادر کی اسی طرح سلائی کر دی گئی کہ وہ جسم سے الگ نہ ہو اور زینتوں کے اخفا میں ناکام نہ ہو۔

۱۴۔ قرونِ اولیٰ کی خواتین کے اعلیٰ اسلامی کردار کو نصابی مواد میں پیش کیا جائے۔

۱۵۔ سیاست بازی اور جاہ طلبی سے بچ کر اگر کچھ خواتین عورتوں کے مسائل حل کرنے کے لیے ان کی نمائندگی کسی حکومتی ایوان میں کریں تو ان پہ پابندی ہونی چاہیئے کہ وہ پردے میں بیٹھیں اور ان کے لئے بنچ ایک طرف لگایا جائے تاکہ لوگ انہیں زیادہ گھوریں نہیں۔

معیاری صورت یہ ہوگی کہ ایک الگ ایوان، ایوانِ خواتین کے نام سے قائم ہو جس کی نشستوں کی تعداد کم رکھی جائے اور خواتین مندوب خواتین ہی کے ووٹوں سے منتخب ہوں۔ اس طرح خواتین ووٹروں کو اس مصیبت سے آزاد کرایا جاسکتا ہے کہ وہ مردوں کے لئے ووٹ دیتے ہوئے پولنگ سٹیشنوں پر خراب ہوتی پھریں اور عیار مردوں کا پیسہ انہیں جعلی ووٹنگ کے ڈرامے کا گھٹیا کردار بنا دے۔

۱۶۔ فوج اور پولیس کے سلسلے میں بھی خواتین کی جس قدر خدمات ضروری ہوں (خصوصاً شہری دفاع کے لئے) ان کو ٹریننگ بھی عورتوں کے ذریعے دلوائی جائے اور ان سے کام بھی کسی خاتون افسر کی نگرانی میں لیا جائے۔ اِس افسر یا کسی دوسری خاتون کو اگر مردوں کے دفتروں میں جانا پڑے یا کسی مرد افسر سے رابطہ قائم کرنا پڑے تو وہ پردے کی پابندی میں رہیں۔

۱۷۔ فلموں اور ٹیلیویژن کی نگرانی کی جائے اور ان کے لئے ہدایات جاری کی جائیں کہ وہ عورتوں کے وقار کے خلاف کوئی چیز نہ لائیں اور نہ کسی منظر اور پروگرام میں فحش پن پیدا ہونے دیں اور نہ غلط رجحانات کے لئے کوئی اکساہٹ شامل کریں۔

ان تدبیروں سے مسلم خاتون کو اس سیلاب سے بچایا جاسکتا ہے جو عرصہ سے ہمارے اوپر ٹوٹ پڑا ہے اور جن قوتوں کو سیلاب کے آگے رکاوٹ پیدا کرنی تھی وہ خود اس سیلاب کا شکار بننے کی دعوت قوم اور اس کی خواتین کو دے رہے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْ۔

بحث ونظر

مطالبۂ نفاذِ فقہِ جعفریہ

ادارہ

آغا سید حامد علی شاہ الموسوی نے اپنے ایک ۸ صفحاتی فولڈر میں اس بات پر ہماری تائید چاہی ہے کہ آئین میں شیعہ گروہ کے پرسنل لا کی ضمانت دینے والی ترمیمی دفعہ کو تبدیل کر کے ان کا مطالبہ پورا کرنے کے لیے حسبِ ذیل نئی شکل اختیار کی جائے:-

"آئین کی مذکورہ ترمیم سے "پرسنل لا" کا لفظ حذف کر دیا جائے، یا پھر اس لفظ کی معاہدہ کے مطابق تشریح کر کے اس تشریح کو قانونی حیثیت دے دی جائے اور اس کے ساتھ حدود آرڈی ننس، زکوٰۃ وعشر آرڈی ننس اور قانونِ شہادت وغیرہ میں ملت جعفریہ کے پیروکاروں کے لیے ان کی فقہ کے مطابق دفعات رکھی جائیں"۔ (ص ۴)

ہمیں جس حد تک غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا احساس ہے، اس سے کہیں بڑھ کر ہم ملتِ اسلامیہ سے وابستہ ایک اقلیتی گروہ کے لیے ہمدردی وخیر خواہی کے جذبات رکھتے ہیں۔ اختلافات اپنی جگہ ہوا کریں، لیکن جہاں تک حقوق کا معاملہ ہے اس پر ہم ہر حقدار کے ساتھ ہیں۔

لیکن متذکرہ مطالبے میں ایک بڑی غلطی کام کر رہی ہے اور وہ یہ کہ شیعہ مطالبہ کنندگان جن کی نمائندگی فولڈر میں کی گئی ہے، ملکی قانون اور پرسنل لا میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھ رہے ہیں۔ کسی سرزمین پر کسی معاشرے میں بیک وقت ۲، ۴ یا ۶ ملکی قوانین نہیں چلائے جا سکتے[1] ورنہ ان

[1] آخر دوسرے فقہوں کے ماننے والے بھی ہیں، پھر غیر مسلم اقلیتیں بھی ہیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

متخالف قانونی نظاموں کا ٹکراؤ لاقانونیت پر منتج ہوگا۔ پرسنل لا کے دائرے میں معروف و معلوم طور پر دنیا بھر کے ممالک میں نکاح، طلاق، ولدیت، وراثت، رضاعت اور ایسے ہی دیگر عنوانات داخل ہیں۔ ان معاملات میں بھی قاعدہ یہی ہے کہ اگر فریقین نزاع کا تعلق کسی اقلیتی فقہ سے ہو تو ان کا معاملہ اُن کی فقہ کے مطابق طے ہوگا، اگر دونوں فریق اکثریتی فقہ کے ہوں تو اُن کا معاملہ اُن کی فقہ کے مطابق طے ہوگا اور اگر فریقین دو مختلف فقہوں سے تعلق رکھتے ہوں تو جو بھی عام حکومتی قانون کسی اسلامی ریاست میں کام کر رہا ہوگا، فیصلہ اس کے مطابق ہوگا۔

ایک الگ مطبوعہ مراسلے میں جنوری ۱۹۵۱ء میں جملہ مکاتبِ فکر کے طے کردہ ۲۲ اُصولوں کا حوالہ بھی متذکرہ مطالبے کی تائید میں دیا گیا ہے، حالانکہ ۲۲ اُصولوں میں صاف درج ہے کہ مُلکی قانون اکثریتی فقہ کے مطابق ہوگا اور اقلیتی مسلم گروہ کے لیے اُس کا پرسنل لا نافذ کیا جائے گا۔

اس صراحت و وضاحت کے بعد یہ مطالبہ کہ حدود (فوجداری جرائم) اور زکوٰۃ و عشر اور قانونِ شہادت وغیرہ میں بھی ملتِ جعفریہ کے پیروکاروں کے لیے ان کی فقہ کے مطابق دفعات رکھی جائیں، کیسے برحق قرار دیا جا سکتا ہے۔

پھر آپ چاہتے ہوں گے کہ تعلیم، ٹیکسیشن، سرمایہ کاری، تعلقاتِ خارجہ اور جنگ و صلح کے معاملات میں بھی فقہ جعفریہ کو ملحوظ رکھا جائے۔

سوچنے کا یہ نہج مناسب نہیں۔ آپ جتنا جتنا زیادہ ذوقِ علیحدگی پسندی دکھائیں گے اور جتنا زیادہ فاصلہ اتنیاز اکثریتی گروہ سے بڑھائیں گے، بعد کے نتائج اتنے ہی ناپسندیدہ ہوں گے بلکہ میرا تو مشورہ یہ ہے کہ پرسنل لا کی حد تک تو جو مجبوری ہے سو ہے، اُس سے آگے کے معاملات کو اداروں، عدالتوں، اسمبلیوں اور عوام کے سامنے لا کر لوگوں میں یہ احساس نہ اُبھاریں کہ ہمارا تصورِ دین، ہمارا تصورِ نبوت، ہمارا تصورِ جانشینیٔ نبوت، ہمارا طریقِ تاویلِ قرآن، ہمارے دفاترِ احادیث اور ہمارا ذخیرۂ تاریخ عام مسلمانوں سے الگ ہے۔ اس علیحدگی کی جتنی زیادہ تفاصیل آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

جو اُنہی خطوط پر اپنے مذہبی استحقاق کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔

سامنے لائیں گے، تفرقہ و تصادم بڑھے گا۔

پھر ذرا سا تقابل اپنی مثالی ریاست ایران کے دستور سے بھی کر لیجیے۔ ہمارے یہاں تو بات اُصولی سی کہی گئی ہے جو دُنیا کے ہر مسلم ملک اور معاشرے کے لیے یکساں ہے کہ کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور ایسے جو قوانین پہلے سے موجود ہیں ان کو بدل دیا جائے گا، مگر آپ کے ایرانی دستور میں تو واضح طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ فقہ جعفریہ نافذ کی جائے گی۔ اور پھر وہاں کی سُنّی اقلیت کے احوال بھی یہاں تک پہنچتے رہتے ہیں۔ یہاں کے عوام میں اچھا اثر پیدا کرنے کے لیے آپ اپنی پسند کے حقوق سنّی اقلیت کے دستوری یا قانونی حیثیت سے دلوا دیجیے اور پھر انہی حقوق کا مطالبہ پاکستان میں عوام کی حمایت سے کیجیے۔

اپنی ساری مہم میں اغلباً آپ نے دوسری جانب کے کسی مکتبِ فکر کے علما سے رابطہ نہیں کیا، عوام کے سامنے افہام و تفہیم کے لیے مسئلہ نہیں رکھا کہ آپ کے حق میں رائے عام تیار ہو جاتی، سیدھا سیدھا جلوسوں اور مظاہروں کا رُخ حکومت کی طرف کر دیا اور تصادم[۱] کے حالات پیدا کر دیے۔ امام خمینی کے ایرانی انقلاب نے دُنیا بھر کے اثنا عشریوں میں ایک جارحانہ رجحان پیدا کر دیا ہے۔ حالانکہ آئینی اور قانونی مسائل کو حل کرانے کے لیے بہت سے پُرامن راستے اور طریقے ہیں۔

ہماری گذارش یہ ہے کہ جن مختلف المسالک مسلمانوں کے ساتھ آپ رہ بس رہے ہیں ان کو اپنا بھائی سمجھیں، ان کی حکومت (جو آپ کی حکومت بھی ہے) سے معقول مطالبے کریں اور معقول طریقوں سے کریں۔ ہمیں آپ کے جائز حقوق کی مکمل بحالی میں پوری پوری برادرانہ ہمدردی ہے۔

---

[۱] مجھے جو لٹریچر موصول ہوا ہے اس میں تصادمی نوعیت کے متعدد واقعات درج ہیں۔

رسائل و مسائل

ایک مجہول اور لایعنی خط

سوال: ایک خط یا مراسلے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ارسال ہے۔ اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے۔ کیا اس کی نقول تقسیم کرنا میرے لیے ضروری ہے؟

نقل خط

شام کی ایک سیاح خاتون نے بتایا کہ ایک لڑکی جو معجزے سے صحت یاب ہوئی تھی جس کے بارے میں لڑکی کے والدین نے اس سیاح خاتون کو بتایا تھا کہ ان کی پندرہ سالہ لڑکی جو سخت بیمار تھی اور ڈاکٹروں نے اس کے مرض کو لاعلاج ظاہر کیا تھا۔ تب لڑکی کے والدین اپنی بیٹی کو روضۂ حضرت زینب علیہ السلام پر زیارت کے لیے لے گئے، اعجازِ جنابِ زینبؓ سے اس لڑکی کو شفا ہوئی اور پوری طرح صحت یاب ہوئی۔ لڑکی کے ماں باپ نے اس معجزے کو لکھا اور اس کی تیرہ ۱۳ کاپیاں بنائیں اور تقسیم کر دیں جس میں سے ایک کاپی ایک دولت مند تاجر کو بھیجی، لیکن اس نے اس معجزے کی تیرہ ۱۳ کاپیاں تقسیم نہیں کیں۔ اس کے نتیجے میں وہ تیرہ ۱۳ دن میں مفلس ہو گیا۔ اسی طرح ایک کاپی ایک غریب عورت کے پاس پہنچی اس نے اس معجزے کی تیرہ ۱۳ کاپیاں بنا کر تقسیم کر دیں، وہ دولت مند ہو گئی۔ کیونکہ اس عورت کا تیس ۳۰ دن کے بعد پہلا انعامی بانڈ نکلا اور وہ مالدار ہو گئی۔

اسی طرح ایک بڑے عہدے پر فائز آفیسر کو ایک کاپی ملی لیکن اس نے اس پر یقین نہیں کیا اور نہ ہی معجزے کی کاپیاں بنا کر تقسیم کیں جس کے نتیجے میں تیرہ ۱۳ دن کے بعد اس آفیسر

کی نوکری چھوٹ گئی۔ اس لیے اے مومنو! یاد رکھو کہ ذاتِ جناب زینبؓ ہمارے لیے باعثِ تعظیم و تکریم ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ اس معجزے کی مزید تیرہ[۱۳] کاپیاں بنا کر لوگوں کو تقسیم کر دیجیے۔ اِن شاء اللہ چہاردہ معصومین علیہ السلام کے وسیلے سے آپ کی مرادیں پوری ہوں گی اور اس معجزے پر یقین رکھنے والا اور اسے مزید لوگوں میں تقسیم کرنے والا تمام آفتوں اور مصیبتوں سے بچا رہے گا۔

سچے دل سے خدا پر یقین رکھو، وہ تمہاری دعاؤں کو قبول کرے گا، اور تمہیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرے گا۔

اس معجزے کو پانے والے خوش نصیب ہیں اور اس معجزے کو پانے کے چودہ دن کے بعد اِن شاء اللہ خوش نصیبی آپ کے دامن میں ہوگی۔ اِس معجزے کی اصل کاپی سوسٹزرلینڈ سے شائع ہوئی اور یہ دُنیا میں نو[۹] مرتبہ گھوم چکی ہے۔ یہ ایک حقیقی معجزہ ہے۔ اسے فضول مت سمجھیے اور اس معجزے کو ایسے لوگوں میں تقسیم کریں، جو اپنی قسمت بنانا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی چہاردہ[۱۴] معصومین پر تہہ دل سے یقین رکھتے ہوں۔

دو اور آدمیوں نے اس معجزے پر یقین کیا اور ان کی مرادیں بر آئیں۔ جنابِ زینبؓ کے اعجاز سے ایک آدمی کو سات ہزار ڈالر ملے اور دوسرے آدمی کو پچاس ہزار ڈالر منافع ہوا، لیکن اس دوسرے آدمی نے اس معجزے پر یقین کرنے کے باوجود اسے دوسرے لوگوں میں تقسیم نہ کیا اور اس سلسلے میں رُوکنے کا سبب بنا، جس کے نتیجے میں وہ شخص اپنی رقم کھو بیٹھا۔ جب کہ ایک اور شخص کی زندگی اس معجزے کو پانے کے چھے[۶] دن بعد پوری ہوگئی اور وہ اس معجزے کو تقسیم نہ کر سکا۔ اس کی موت نے اسے اس معجزے کو تقسیم کرنے کی مہلت نہ دی۔ پھر بھی اپنی موت سے پہلے اس شخص نے ساڑھے لاکھ انچاس ہزار ڈالر پائے۔ یہ سلسلہ وینزویلا سے شروع ہوا اور اسے لکھنے والا ایک عیسائی مذہب کا آدمی مسٹر ایس رٹی۔ انتھول ڈی کوڈسن ہے جس کا تعلق جنوبی امریکہ سے تھا۔ ۱۹۵۳ء میں ایک شخص کاسٹن گریگ کو اس معجزے کی ایک کاپی ملی اور اس نے اپنے سیکرٹری سے اس کی بیس کاپیاں بنا کر اُسے تقسیم کر دینے کو کہا۔ اس معجزے کی برکت سے اس شخص کی لاٹری نکلی اور بیس ہزار ڈالر انعام ملا۔ ایک اور شخص

کاریو میں کرانت ایک آفس میں ملازم تھا۔ یہ شخص اس معجزہ کو تقسیم کرنا بھول گیا۔ کچھ دن بعد اُس کی نوکری چھوٹ گئی۔ یاد آنے پر اُس نے اس معجزے کی ۲۰ کاپیاں لوگوں میں تقسیم کیں جس کی برکت سے اس شخص کو پہلے سے بھی اچھی نوکری مل گئی۔ ایک شخص آرمین میری بو نے اس معجزے پر یقین نہیں کیا۔ ۹ دن کے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا۔

آپ لوگوں سے التماس ہے کہ اس سلسلے کو جاری رکھیے اور اس معجزے کو دوسرے لوگوں میں تقسیم کرتے جایئے۔ کسی بھی وجوہات کی بنا پر اس سلسلہ کو روکنا نہیں چاہیے۔ یاد رہے کہ خدا پر سچے دل سے یقین رکھنے سے خدا تمھاری دعاؤں کو قبول کرے گا اور تمھیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرے گا۔

جواب: گذشتہ ۵۰، ۵۵ سال سے میں نے کئی بار شیخ احمد کے نام سے جاری شدہ ایک مجہول خط کی نقول دیکھی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ شیخ احمد مدینہ کے کوئی بزرگ ہیں اور انھیں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اس خط میں بھی یہی لکھا ہوتا تھا کہ جو کوئی اس کی نقلیں آگے پھیلائے گا وہ کوئی خوشی اور کامیابی حاصل کرے گا اور جو لاپروائی کرے گا وہ نقصان اُٹھائے گا۔ اس فراڈ کا تجزیہ ترجمان القرآن میں کیا جا چکا ہے۔

اب یہ نیا کرامتی خط بھی تقریباً وہی نوعیت رکھتا ہے۔ ہم شرعی طور پر اس کا جائزہ آخر میں لیں گے پہلے تھوڑی سی جرح ہو جائے:

۱- اس خط کے نیچے نویسندہ کا نام پتہ درج نہیں۔ کیوں؟ کیا لکھنے والے یا نقل کرنے والے کو معلوم نہیں کہ بے نام تحریر کی کوئی وقعت نہیں ہوتی، بلکہ وہ معاملے کو مشتبہ بنا دیتی ہے۔

۲- گمنام راقم اصل کردار خود نہیں بلکہ درج شدہ قصوں کا مبصر ہے اور ان تمام کا مجموعی راوی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس شخص کے پاس یہ معلومات کس ذریعے سے آئیں؟ کیا نقول پھیلانے والوں اور غفلت برتنے والوں پر کوئی سی آئی ڈی اُس نے مسلط کر رکھی ہے جو دنیا بھر سے تمام لوگوں کے ریکارڈ اُسے پہنچاتی ہے اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ کسی شخص نے یقین کرنے کے باوجود نقلیں نہیں پھیلائیں۔ کیا اس نے اپنے یقین کرنے کا کوئی بیان اخبارات میں دیا تھا؟ یا فرستندہ خط کو براہِ راست اطلاع دی تھی؟

۳- اس پورے سلسلے کی راویہ اوّل شام کی ایک سیاح خاتون ہے، مگر نہ اس کا کوئی نام ہے،

نہ پتہ۔ وہ جس لاعلاج لڑکی کے صحت یاب ہونے کا قصہ بیان کرتی ہے اُس کا یا اُس کے والدین کا بھی کوئی نام پتہ نہیں دیتی۔ بعض دوسرے افراد کا بھی یا تو گول مول تذکرہ ہے یا نام بغیر پتہ دیے گئے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

۴- اس کرامتی خط کی اصل کاپی سوئٹزر لینڈ سے شائع ہوئی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا "معجزہ" پہلے پہل دیکھنے والا وہی کا تھا، مگر سوال یہ ہے کہ اس سے قبل کے لمبے دور میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مدفن کے قریبی علاقوں کے لوگ ایسے محیر العقول عجائبات دیکھنے سے کیوں محروم رہے؟ اور اگر محروم نہیں رہے تو ان میں سے کسی نے کوئی خط لکھنے اور اس کی نقول پھیلانے کا سلسلہ کیوں نہ چلایا؟ اور اگر نہیں چلایا تو وہ لوگ کیوں مصائب اور نقصانات سے دوچار نہیں ہوئے؟

۵- شامی راویہ کے بقول شفا پانے والی لڑکی کے والدین نے اس واقعہ کو لکھا اور اس کی ۱۳ نقول تیار کیں۔ آگے بھی ۱۳ نقول تیار کر کے پھیلانے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ (اگرچہ ایک مثال ۲۰ نقلیں تیار کرنے کی بھی ہے)۔ آخر یہ ۱۳ عدد خاص کیسے ہوا؟ اُن والدین کو اس تعداد کی تلقین کدھر سے ہوئی؟

۶- نویسندہ مسلمان ہو تو ہم پوچھتے ہیں اس فرمان کا مأخذ کتاب و سنت کی رُو سے کیا ہے کہ جسے بھی یہ خط ملے وہ اس کی نقلیں آگے پھیلائے؟ اور مسلمان نہ ہو تو عقلی بنیادوں پر ہم یہی سوال اس سے کرتے ہیں۔

۷- پھر اس جزا و سزا کی دلیل کہاں سے لی گئی ہے کہ جو نقلیں پھیلائے اُسے انعام یا لاٹری کے ذریعے ۱۴ دن میں دولت ملے گی یا ملازمت میں ترقی ہو گی اور جو نقلیں نہ پھیلائے۔ اس کا مالی نقصان ہو گا یا ملازمت جاتی رہے گی یا وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا؟

۸- خط کے عنوان کے اوپر یا اللہ۔ یا محمدؐ۔ یا علیؓ ۔ یا حسنؓ ۔ یا حسینؓ۔ پانچ نام لکھے ہیں۔ پانچوں کو حرفِ ندا "یا" کے ساتھ اس طرح پکارا گیا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے یہ پانچوں ہستیاں ایک ہی صنف کی ہیں (نعوذ باللہ!)۔ اگر ایسا ہے تو کیا معاملات کے فیصلے، انتظامِ دنیا کو چلانا اور دعاؤں کو قبولیت عطا کرنا ان پانچوں کے دستخطوں سے ہوتا ہے؟ یا یہ مراد ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے دوسرے

کو پکارنا یکساں ہے؟

۹- خط کے عنوان میں حضرت زینبؓ کے ساتھ "علیہا السلام" لکھا گیا ہے۔ حالانکہ اصطلاحاً "علیہ السلام" صرف انبیائے کرام کے اسماء کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ صحابہ اور صحابیات میں سے کسی کا ذکر کریں تو رضی اللہ عنہ یا عنہا لکھتے ہیں۔ لیکن ایک گروہ اگر اسے غیر انبیاء کے لیے استعمال کرنا درست سمجھتا ہے تو بھی مکتوب نگار کو اتنا تو خیال رکھنا چاہیے تھا کہ وہ ایک خاتون کا ذکر کرتے ہوئے "علیہ" کے بجائے "علیہا" لکھتا۔ آخر اتنے بڑے گرامی خط میں گرامر کی مبادیات کا خیال کیوں نہیں رکھا گیا؟

۱۰- لفظ معجزہ کا اطلاق اُن خرقِ عادت عادات پر ہوتا ہے جو کسی نبی کے ذریعے ظاہر ہوتی ہیں۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ حضرت زینبؓ کے لیے معجزہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے؟

۱۱- عنوان کے ساتھ خطوط و حداثی میں لفظ "ترجمہ" لکھا ہے، مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ خط کس زبان میں تھا اور اس کا مترجم کون ہے اور اسے یہ خط کہاں سے ملا اور اس نے اس پر اعتماد کس دلیل و سند سے کیا؟

۱۲- کیا مترجم صاحب کو معلوم نہیں کہ لفظ "جنابہ" عربی کا لفظ ہے اور ایسے معنوں کے لیے مروّج و مستعمل ہے کہ کسی بھی عورت کے لیے اس کا استعمال نہایت نامناسب ہے، کجا کہ کسی بزرگ دینی خاتون کے لیے اسے برتا جائے؟ اس لفظ کی کراہت کی وجہ سے شائستہ لوگ خواتین کے ناموں کے ساتھ بھی لفظ "جناب" ہی لکھتے ہیں جیسے "حضرت" کا لفظ۔ مثلاً جناب شائستہ خانم یا جناب جمیلہ خاتون۔ جس طرح حضرت کو حضرتہ بنانے کی ضرورت نہیں، اسی طرح لفظ جناب کی تانیث لازم نہیں۔

اب ہم اس خط کے مضمون کی حیثیت کا جائزہ دینی لحاظ سے لیتے ہیں:

سیدھی سی بات ہے کہ شریعتِ اسلام میں جزا و سزا کا نقد انقد سودا اس طرح چلتا ہی نہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ اِدھر نماز پڑھیں اور اُدھر پچاس روپے آپ کو جائے نماز کے نیچے سے مل جائیں، یا نہ پڑھیں تو مکان گر جائے، اسی طرح یہ بھی نہیں کہ قرآن کی کسی آیت یا کلمے یا درود شریف کی کچھ نقول آپ تقسیم کریں تو آپ کے نام لاٹری نکل آئے اور تقسیم کرنے میں کوتاہی کریں تو آپ کا بچہ بیمار ہو جائے یا

کوئی ایکسیڈنٹ پیش آجائے۔ اس طرح کا تصورِ جزا و سزا شریعتِ اسلام میں ہے ہی نہیں۔ یہ بالکل استثنائی صورت ہوتی ہے کہ کبھی کسی عمل کی جزا یا سزا کا کچھ حصہ اس دُنیا میں بھی پیش آجائے، مگر اس کے متعلق قطعیت سے یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ جو کچھ پیش آیا ہے۔ اس کی حقیقی نوعیت کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حقیقت پردۂ غیب میں رہتی ہے۔

جس خاص عمل کی تائید نہ شرعی اُصول کرتے ہوں، نہ جس کا حکم ہو ــــ بلکہ اُلٹا جس میں شائبہ شرک و بدعت پایا جائے۔ اس کو کسی مجہول و نامعلوم شخص کے کہنے پر بلا دلیل اپنے لیے لازم کر لینا وجۂ معصیت ہے۔ ایسے اشغلوں پر حصولِ فوائد کی اُمیدیں لگا لینا یا ان کے تحت خوف و وہم میں مبتلا ہو جانا توحید کے خلاف ہے، لہٰذا ایسے لایعنی پرچوں کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیجیے۔

مطبوعات

خورشید رسالت کی پانچ کرنیں | از جناب آباد شاہ پوری ۔ ناشر : البدر پبلی کیشنز ۔ ۲۳ ۔ راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور ۔ قیمت : ۱۸/- روپے

قرونِ اُولیٰ کی تاریخِ اسلام جس کی جڑیں قرآن سے غذا لیتی ہیں اور جس کی شاخیں حدیث سے آب و نم حاصل کرتی ہیں، بجائے خود انتہائی دلکش ہے ۔ پھر اگر اس تاریخ کو لکھنے کے لیے کسی بالغ نظر ادیب کا قلم متحرک ہو جائے تو عجیب کیف و ولولہ حاصل ہوتا ہے ۔

آباد شاہ پوری صاحب نے یوں تو پانچ اصحابِ خاص (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے حالات بیان کیے ہیں، مگر ان کے تذکرے میں تاریخ از خود شامل ہے ۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جو تاریخ بنانے والی صفِ اوّل میں شریک تھیں ۔ یعنی حضرت خالد بن ولید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت سعید بن عامر ۔

مؤلف بات کو اس طرح اُٹھاتے ہیں کہ قاری میں تعجب و تحسین کی وہی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں جو اعلیٰ ادبی کہانیوں کو پڑھتے وقت ہوتی ہیں ۔ مگر کہیں کوئی مصنوعی پن نہیں ہے، کہیں حقائق کو مسخ نہیں کیا گیا ۔ اور کہیں خواہ مخواہ کی لفاظی نہیں ہے ۔ بخلاف اس کے پوری تحقیق سے ان واقعات کو بیان کیا گیا ہے جس سے ان پانچ بزرگوں کی شخصیتوں کی صحیح قدر و قیمت سامنے آتی ہے ۔

یہ کتاب بامقصد اُردو ادب کا بہترین حصّہ ہے ۔ نوجوانوں کو اسے خاص طور سے پڑھنا چاہیے ۔

تاریخ نظریۂ پاکستان از پروفیسر سید محمد سلیم ۔ ادارۂ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان۔ ملنے کا پتہ: ۸۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور۔ صفحات: ۲۸۷ ۔ رنگین دبیز آرٹ پیپر کا سرورق قیمت: ۲۱/- روپے

سید محمد سلیم صاحب کی اکٹھی چار کتابیں موصول ہوئیں۔ یہ کتابیں اچھے علمی و تحقیقی معیار کی ہیں اور ان میں مؤرخانہ تجزیہ کاری کی بڑی قابلِ قدر مثالیں ملتی ہیں۔ ان کتابوں کو پوری طرح پڑھ کر ہضم کرنا اور پھر ان پر رائے قائم کرنا ایسا کام نہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں جادی جائے۔ لیکن اگر تین چار مہینے یہ ذمہ داری موخر رہی تو سید صاحب اور تنظیم اساتذہ کو سخت شکایت ہوگی۔ لہٰذا اس مرتبہ میں صرف ایک کتاب پر سرسری نظر ڈال کر اس کا اجمالی تعارف لکھ رہا ہوں۔

اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ سید صاحب نے یہ بتلانے کے بعد کہ انگریزوں کی آمد کے وقت مسلمان معاشرہ کی حالت کیا تھی یہ دکھایا ہے کہ انگریز کا طرزِ عمل ہندوؤں کے لیے بڑھاوا دینے والا اور مسلمانوں کو دبانے کچلنے والا تھا۔ مسلمانوں کے مذہب، تہذیب، تعلیم، معیشت، ملازمتوں، زبان، تاریخ وغیرہ ہر چیز کے خلاف ایک حملہ جابرانہ وساحرانہ شروع ہوگیا پھر مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف جو تحریکیں اٹھیں ان کا ذکر ہے، بعدازاں زیادہ تفصیل سے مسلم دشمنی کے عمل کو دکھایا گیا ہے۔ پھر تنسیخ بنگال سے تحریک خلافت تک کے ہیجانی دور کا تذکرہ ہے۔ پھر آخری حصوں میں انگریز کی مسلم دشمنی اور ہندو کی مسلم دشمنی کے وہ شواہد سامنے آتے ہیں جن کے اثر سے نظریۂ پاکستان اور تحریکِ پاکستان کا ظہور ہوا۔ پھر تشکیل پاکستان اور اس کے بعد قراردادِ مقاصد کی منظوری کا تذکرہ ہے اور اس قرارداد کے مضمرات پر گفتگو ہے۔

سید صاحب نے واقعات و احوال کو تلاش کرنے میں بڑی محنت سے کام لیا ہے اور اُن کو خوبصورتی سے مرتب کیا ہے۔ تمام مقامات کے ساتھ اہم حوالے موجود ہیں۔ سید صاحب کا مؤرخانہ مقام اس کتاب سے خوب واضح ہوتا ہے۔

نظریۂ پاکستان اور تحریکِ پاکستان کے بارے میں جو لوگ (خصوصاً طلبہ) معلومات جمع کرنا چاہیں ان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ لازم ہے۔

پاکستان میں قومیتوں کے مسائل اور اُن کا حل

از محمد موسیٰ بھٹو - ناشر: نیشنل سندھ اکیڈمی - پوسٹ بکس نمبر ۲۵۸ حیدر آباد (سندھ) صفحات: ۳۲۳، دبیز ٹائیٹل۔ قیمت: ۲۸/- روپے۔

یہ ایک اہم کتاب ہے جو سندھ کے مسئلے کو پورے تاریخی پس منظر کے ساتھ، حوالوں اور دلائل سے مضبوط کر کے سامنے لاتی ہے۔ پہلی دفعہ سندھ کے مخصوص علاقائی رجحانات کو ایک شخص نے عدل اور دیانت سے سمجھانے کی کوشش کی۔ کوئی انتہا پسندانہ بات نہ اُس طرف سے، نہ اِس طرف سے۔ حالات کے سابق تاریخی ارتقاء کے تحت پاکستان بننے کے بعد کلیموں کا مسئلہ، ون یونٹ کا مسئلہ، بیراج کی زمینوں کا مسئلہ، فوج کی نمائندگی کا مسئلہ اور ملازمتوں کا مسئلہ، جس طرح اثر انداز ہوئے ہیں ان کی طرف پوری توجہ دلائی گئی۔ آخر میں بڑا اہم باب "اب کیا کرنا چاہیے" کے عنوان سے ہے اور یہ گویا ماحصل ہے ساری بحث کا۔

ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم اسلام کو ایک قوتِ محرکہ بنا کر نہ اس کی مدد میں بزرگوں اور نوجوانوں اور خواتین کے دل و دماغ کو مصروف کر سکے، نہ ہم نے اسے ایک وحدت انگیز نصب العین کا مقام دیا، بلکہ اب تک اسے حاکموں اور بیوروکریسی اور جاگیرداروں اور مغرب پرستوں نے گوئے چوگان بنا رکھا ہے۔ پھر یوں بھی جو شکایات کسی گروہ یا علاقے میں پیدا ہوتی ہیں برسوں ان کا کوئی نوٹس نہیں لیتا۔ ان کو پیار سے حل نہیں کیا جاتا، ان کے لیے مؤثر تدابیر اختیار نہیں کی جاتیں ـــــ کبھی توجہ ہوتی ہے تو اوپر سے ایک ہتھوڑا چل جاتا ہے اور اس ہتھوڑے کی ضرب سے نئی چنگاریاں پیدا ہو کر مزید آگ پھیلاتی ہیں۔ خصوصاً مارشل لاء تو اس کے سوا کوئی طریقہ جانتا ہی نہیں۔

کسی ملک میں خرابیٔ احوال کے جراثیم کہیں بھی نمودار ہوں، شکاری قوتیں اُن پر گہری نظر رکھتی ہیں، ان کو مزید پرورش دیتی ہیں اور پھر عوام کی ہمدرد و غمگسار بن کر انہیں جسم وحدت سے کاٹ لے جاتی ہیں۔ (جیسا بنگلہ دیش کا واقعہ ہوا) - آج کل سندھ کے سر پہ روس اور بھارت محبت و ہمدردی کا ہاتھ رکھے ہوئے ہیں، لٹریچر بھی آتا ہے، کارکن بھی، پیسہ بھی، اسلحہ بھی، کام کے منصوبے بھی۔ دو بڑی آقاؤں کی سرپرستی میں کچھ شیر دل اور بلند دماغ سندھی

تنظیمی طریقوں، خفیہ سازشوں، بارودی لٹریچر کے ذریعے وہی پارٹ ادا کر رہے ہیں کہ ؎

انہی کی محفل سنوارتا ہوں، چراغ میرا ہے رات اُن کی
انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں، دماغ میرا ہے بات اُن کی

مُلک کے بھائیوں سے انتقام لینے کے لیے اپنے آپ کو بھی دوسروں کے سپرد کر دینا اور ملک پر بھی اُن کا سایہ مسلط کر دینا۔ افسوس ہے کہ ایسے اہل بصیرت کی پیداوار ہمارے ہاں بہت ہے۔ ہمیں کسی دشمن کی ضرورت ہی نہیں، ہم بھائی اور دوست ہی ایک دوسرے کے لیے کافی ہیں۔

سلیم الطبع اصحاب سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کو پڑھیں اور پھر حکام اور بیوروکریسی اور سندھی اربابِ قیادت کو بھی اس کا مطالعہ کرائیں۔ شاید کسی اچھے دل میں بات اُتر جائے۔

انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام | از پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم۔ ناشر: اسلامک پبلشنگ ہاؤس شیش محل روڈ۔ لاہور۔ قیمت: ۲۵/- روپے

یہ کوئی نئی کتاب نہیں، مگر یہ ہمیشہ نئی ہے۔ پہلے ایک نسل کے لوگوں نے اسے پڑھا۔ اب اگلی نسل کے افراد اسے پڑھیں، ہر نوجوان اسے دیکھے۔

مختصراً اس میں علمی انداز سے بتایا گیا ہے کہ جو ملحدانہ مادی تہذیب ہمارے دینی اور تمدنی تشخص کو تباہ کرنے کے درپے ہے، اس کا فکری وزن کیا ہے؟ خود اس تہذیب کے اندر رہنے والے فلسفی، سائنس دان اور مفکرین کیا محسوس کرتے ہیں۔ انتہائی اہم حوالوں سے کتاب مزین ہے۔ یہ مختصر کتاب ایک ایسا شعوری تعویذ ہے جو دورِ حاضر کے نظامِ ابلیسی کا قلع قمع کر کے ہمارے ذہنوں میں ایمان و خودی کی تجدید کر دیتا ہے۔ کم سے کم اس کا یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ اقوامِ غالب کی جن علمی یا سیاسی چیزوں کو ہم آنکھیں بند کر کے اور آمنا و صدقنا کہہ کر سینے سے لگا لیتے ہیں اس غلامانہ روش کے بجائے ملحدانہ نظریات کو تنقیدی نظر سے دیکھنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے گا۔ اغیار کی تقلید و تائید کا علاج تنقید ہی سے ہو سکتا ہے۔

کتاب کے آخری حصے میں مثبت طور پر مگر مختصراً اسلام کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ وہ ہماری فکری، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی ضروریات کو بہ احسن وجوہ پورا کر سکتا ہے۔

خلافت و جمہوریت از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی - ناشر: مجلس التحقیق الاسلامی - ۹۹ - جے، ماڈل ٹاؤن لاہور - صفحات: ۲۸۸ - قیمت مجلد ۳۶/- روپیہ

اکثر دینی حلقے میری نگاہ میں بڑے محترم ہیں اور بہت سے بزرگوں سے میں دلی محبت کرتا ہوں، مگر موجودہ معاشرے کے پیشِ نظر جس میں دین سے انحراف پسندی بڑھتی جا رہی ہے جب اسلامی سیاست و معیشت کے متعلق کوئی پریشان کرنے والا لٹریچر آتا ہے تو اُس پر صاف صاف اظہارِ رائے کرنا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔

اِس کتاب کے تفصیلی علمی مباحث میں بہت زیادہ دخل اندازی کا تو یہاں موقع نہیں، البتہ میں حالات کے اس پسِ منظر کو بصد افسوس دیکھتا ہوں کہ حالیہ مارشل لا نے بیشتر اسلامی تنظیموں کو فکری لحاظ سے پچھاڑ دیا ہے۔ اور ہر سطح کے لکھنے والوں نے اسلام کے شورائی نظام کے ایسے ایسے خاکے پیش کیے ہیں کہ جن کا ردِ عمل دین سے کم مس رکھنے والے جدید عنصر کو دُور پھینک دے گا اور ان کے ہاتھ میں اس دلیل کا ہتھیار آ جائے گا کہ اسلام کوئی قابلِ عمل اطمینان بخش سیاسی نظام رکھتا ہی نہیں۔

نہایت ادب سے میں اصحابِ علم و نظر کو توجہ دلاؤں گا کہ آج کا معاشرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی جماعت کی طرح نہیں ہے اور نہ وہاں کے تمام احکام (خاص تعبیرات کے ساتھ) جُوں کے تُوں، بغیر تبدیلیٔ افکار و اخلاق کے نافذ کیے جا سکتے ہیں۔ دورِ نبوت میں قلیل التعداد قبائلی معاشرہ میں مدینے کے مقام پر شروع میں شہری طرز کی جو حکومت قائم کی گئی تھی، اس کو مخصوص تمدنی احوال سے ساتھ اُٹھا کر ایک مختلف نوعیت کے معاشرے میں (جس میں اسلام کو چاہنے والوں کا تناسب کم اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں کی تعداد کم تر ہے) بغیر کسی مناسب تدریج کو سامنے رکھے اور آج کے احوال و ظروف سے یکسر قطع نظر کر کے بغیر کوئی اجتہادی نقشۂ کار اختیار کیے ٹھونس دینا کبھی بھی کامیابی پر منتج نہیں ہو سکتا۔

اِس کتاب میں آیات کی تفسیر اور احادیث اور روایاتِ تاریخی کی تعبیر میں وجوہ اختلاف ہونے کے علاوہ بہت سے تضاد اور خلا (FLAWS) بھی ہیں۔ مثلاً صدر ضیاء الحق صاحب کو امیر المؤمنین والا مقام دیا گیا ہے (ص ۲۵۰) حالانکہ وہ اپنی معروف خوبیوں کے باوجود ان شرائط پر پورے نہیں اُترتے، جن پر اسی کتاب میں بحث کی گئی ہے بلکہ مخالف جانب سے واقعات و شواہد کے ساتھ کئی

اعتراضات اُٹھائے جاسکتے ہیں۔ عجیب قسم کا اسلامی نظریۂ حکومت یہ پیش کیا گیا ہے کہ صدر (یا امیر المومنین) جس طرح عدلیہ، انتظامیہ اور فوج کے تینوں شعبوں کے سربراہوں اور دیگر اہم عہدہ داروں کو مقرر کرتا ہے۔ اسی طرح اس کو حق ہے کہ وہ اپنے لیے ارکانِ شوریٰ خود مقرر کرے اور پھر ان کے مشوروں میں سے بھی جس پر چاہے عمل کرے اور جسے چاہے مسترد کردے۔ یہ سوال کہ نیک نہاد امیر پہلے کس طرح آئے گا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "سربراہ مملکت خواہ کسی بھی طریقے سے برسرِ اقتدار آ جائے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق نظام برپا کرتا ہے تو اس کے تقرر کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا، نہ اسے یہ طعنہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ غیر آئینی طریقے سے یا چور دروازے سے آیا ہے، بلکہ اس کی اطاعت واجب و لازم ہو جاتی ہے"۔ (ص ۲۵۰) یہ ساری گفتگو گویا ضیاء الحق صاحب کو سامنے رکھ کر کی جارہی ہے___ سکندر مرزا، ایوب خان اور یحییٰ خان بھی تو اسی دروازے سے آئے تھے۔ گویا اسلام کوئی مشینری فراہم نہیں کرسکتا بلکہ سارا دارومدار بخت و اتفاق پر ہے کہ کب کون اور کس طرح کا آدمی ایوانِ اقتدار میں داخل ہو جائے۔ یہ تو بعد میں اس کا کردار بتائے گا کہ وہ اسلام کے مطلب کا ہے یا نہیں۔ پہلے سے کوئی تدبیر نہیں سوچی جاسکتی۔ گویا بات "انتظارِ مہدی" والی ہے کہ ایام کے کس اُلٹ پھیر کے ساتھ "موعود" کا ظہور ہوتا ہے۔

ایک جگہ جمہوری نظام (چاہے وہ خدا کی حاکمیت پر قائم کیا گیا ہو) پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ "اگر ۱۰۰ میں سے ۵۱ ممبر یہ کہہ دیں کہ سود کے بغیر معیشت نہیں چل سکتی تو سود جائز ہو جائے گا"۔ (ص ۲۳۸)۔ قطع نظر اس سے کہ اگر ہم نے اپنے نظام میں دستوری طور پر یہ طے کر دیا ہو کہ کوئی فیصلہ قانونِ اسلامی کے خلاف نہیں کیا جاسکتا تو ۵۱ ممبر حرام کو حلال نہیں کرسکتے، لیکن عملاً اگر کسی معاشرے کی اکثریت اسلام سے بغاوت کرنے پر تلی ہو تو آپ اس میں اسلام کو کیسے چلاسکتے ہیں۔ خواہ اُدپر کوئی مردِ مومن بیٹھا ہو۔ اس کا اعتراف اس مقام پر موجود ہے کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد بھی قرآن و سنت کے منافی قوانین بنتے ہیں۔ آخر کوئی مردِ مومن ہزاروں افراد پر مشتمل فوجی اور سول بیوروکریسی اور ملک کے اصحابِ تقریر و تحریر اور عام جگہ جگہ پھیلے ہوئے باشندوں کو کیسے اسلام پر کاربند کرے گا۔ اس کے لیے تو انتخابات اور دوسرے شعبوں

ہیں معاشرے کے اندر کام کرنا ضروری ہے۔ اور اس کام کے لیے شدید ضروری ہے کہ اسلامی نظام کا ایسا تصور موجود ہو جس پر دینی حضرات اور جدید لوگوں اور عوام میں سے اسلامی رجحان کے افراد جمع ہو سکیں۔ یہ چونکہ نہیں ہو سکا لہٰذا الجھے ہوئے اسلامی تصورات حکومت پر نہ لوگ جمع ہوئے، نہ کوئی تحریک چل سکی۔ صرف ایک کوشش مولانا مودودیؒ کی کامیاب ہوئی، جنہوں نے "الٰہی جمہوریت" اور "جمہوری خلافت" کا وہ نظریہ پیش کیا جس سے اصولِ دین بھی برقرار رہتے تھے اور وقت کی ضرورت بھی پوری ہوتی تھی۔ اس لیے قدیم اور جدید دونوں قسم کے لوگ ان کی پکار پر جمع ہو کر ایک تحریک اٹھانے کے قابل ہوئے۔

یہ سرسری معروضات نہایت احترام کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ اور میں کیلانی صاحب اور مجلس التحقیق الاسلامی کے بزرگوں کو اصحابِ اخلاق سمجھتا ہوں۔ امید ہے کہ وہ بار دیگر مبحث کو سوچیں گے۔

ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ از پروفیسر عبدالغنی فاروق۔ ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور

صفحات: ۴۳۲۔ مجلد مع گرد پوش۔ قیمت: ۴۸/- روپے

اِس کتاب کا سابق ایڈیشن سوا سال میں ختم ہو گیا اور اب دوسرا ایڈیشن سامنے ہے۔ پروفیسر فاروق صاحب نے مختلف ممالک کے ۶۶ ایسے نومسلموں کے بیانات یا انٹرویو جمع کیے ہیں جنہوں نے اپنے حالات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ کس محرک کے تحت مسلمان ہوئے۔ ۶۶ افراد میں سے اکثر کی ذہنی کشمکش کی داستانیں طویل بھی ہیں اور بعض کو بڑے مصائب میں سے گزرنا پڑا ہے۔ اِن نومسلموں نے بالعموم ہم مسلمانوں کے اعمال و اخلاق اور فرقہ بندیوں کو نظر انداز کر کے براہ راست خدا اور رسولؐ کا اسلام قبول کیا ہے۔ ورنہ وہ اگر ہمیں معیارِ فیصلہ بناتے تو شاید پہلے سے بھی زیادہ اسلام سے دُور ہو جاتے۔ دوسری طرف اگر ہم مسلمان خود اندرون ملک اور بیرونی ممالک میں جا کر سفیر اسلام اور داعی اسلام کی حیثیت سے زندہ رہیں اور ہم تضادِ قول و فعل کے مرض سے محفوظ ہوں تو اسلام کے پھیلنے کی رفتار تیز ہو سکتی ہے۔

خاص اہمیت کی بات یہ ہے کہ ان ۶۶ افراد میں متعدد اصحاب (یا خواتین) علمی مقام رکھنے والے

ہیں۔ پھر جنہوں نے اسلام کو قبول کیا ان میں سے اکثر نے اپنی زندگیاں یکسر بدل دیں۔
اِس کتاب کو پڑھ کر داعیانِ اسلام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیسے لوگوں کے ذہنوں میں مذہب کے متعلق کش مکش ہوتی ہے، اُن کی نفسیاتی کیفیات کیا ہوتی ہیں، اُن کو کس طرح قریب لایا جا سکتا ہے۔ اور اسلام قبول کرنے کے بعد اُن سے کس طرح تعاون کیا جا سکتا ہے۔

ہفت روزہ "تکبیر" مدیر: صلاح الدین سابق ایڈیٹر جسارت وحریت۔ مقام اشاعت، ۱۰۹۲، گلبہار، کراچی۔ فی شمارہ: ۵/- روپے سالانہ ۲۲۰/- روپے

متعدد ہفت روزے پاکستان سے شائع ہوتے ہیں، مگر "تکبیر" نکلا تو معلوم ہوا کہ اس خاص وکش انداز کے ہفت روزے کی جگہ خالی تھی۔ اس مرتبہ کا ایک خاص نمبر سامنے ہے جس کا مقصد شاید سالِ اشاعت کی تکمیل مسرت کا اظہار ہے، مگر خاص نمبر کہیں لکھا ہوا نہ ملا۔ اس پرچے میں تو باہتمام خاص متعدد انٹرویو اور خاص خاص مضامین اور ادبیات شامل ہیں۔ مگر تکبیر کا ہر عام شمارہ بھی خاصا اہم ہوتا ہے۔ مستقل معاونین تحریر میں ثروت جمال اصمعی، محمد معین الدین، عبدالسلام سلامی، طاہر مسعود، مشفق خواجہ، پروفیسر منین الرحمٰن مرتضیٰ اور ڈاکٹر معین الدین عقیل نمایاں ہیں۔ علاوہ ازیں جناب ابن الحسن، نصراللہ خاں صاحب اور جاوید اقبال خواجہ کے صفحات پُرکشش ہوتے ہیں۔ مُلکی اور غیر مُلکی، دونوں دائروں کی خصوصی رپورٹیں بھی اہم ہوتی ہیں۔

تکبیر نے تمام اہم قومی مسائل پر مارشل لاء کے زیر سایہ حکومت اور عوام اور سیاستدانوں کو جس خوش اسلوبی سے حقائق پر متوجہ کیا ہے وہ بہت قابلِ تحسین ہے۔ نقطۂ نگاہ قومی رہا، روحِ فکر اسلامی رہی، تحریر کا اسلوب صحافیانہ اور تجزیہ کارانہ رہا۔ مندرجات میں سنجیدگی و شائستگی اور دیانت وامانت کا غلبہ رہا۔ یہ اخبار اُردو زبان کے لیے سرمایۂ اعزاز ہے۔ اتنا اچھا سنجیدہ اور دیانت دار پرچہ اگر کسی اشاعت میں یہ اطلاع شائع کرے کہ مدیر ترجمان القرآن فلاں دن انارکلی میں ٹوپی سر پر لیے بغیر گھوم رہا تھا تو میں تکبیر سے پہلے اپنے احباب سے یہ دریافت کروں گا کہ کہیں فراموش کاری میں مجھ سے کسی دن یہ غلطی تو نہیں ہو گئی تھی۔

MESSAGE مینجنگ ایڈیٹر: سید منور حسن ، ایڈیٹر: سید وجاہت علی اور ان کے ساتھ ادارتی بورڈ) - بہ اہتمام اسلامک ریسرچ اکیڈمی - مقامِ اشاعت: ۱۰/۱۶۳ - "C" منصورہ - فیڈرل بی ایریا ، کراچی ۳۸۰۵ -

میرے خاص دل پسند رسالوں میں سے ایک ماہنامہ یونیورسل میسیج ہے - یہ اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے فکر و مزاج کا آئینہ دار ہے - یعنی مختلف ملکی اور عالمی موضوعات پر ایسے مضامین شائع کرتا ہے جن کے مقاصد اسلامی اور جن کا اسلوب تحقیقی ہوتا ہے - ملک کے لادینی رجحانات پر بھی ادارے کی نگاہ ہے اور عالمی پیمانے پر مادی تہذیب کے ابھارے ہوئے نو بہ نو افکار اور ان کے رد عمل پر بھی -

صحافیوں ، اساتذہ ، ادیبوں اور خاص طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ وہ وقت کے فکری مسائل کو جانیں - اور ان کے چیلنج سے معیاری انداز پر عہدہ برآ ہونے کا ڈھنگ انہیں آئے -

---

IMPACT ایڈیٹر اے عرفان (اصل کار فرما ذہن : عاشر فاروقی -

مقامِ اشاعت: 33 STROUD GREEN ROAD LONDON N4 3EF

قیمت فی شمارہ برطانیہ میں ۲۵ پنس - بیرون جات کے لیے ۲ ڈالر -

نئے دور کے ایڈیٹروں میں سے میں دو ہی دوستوں سے متاثر ہوا ، ایک صلاح الدین صاحب دوسرے عاشر فاروقی - ان لوگوں نے نہ صرف صحافت کو مقصدِ اعلیٰ کے تابع رکھا بلکہ اسے مشن سمجھ کر قربانیاں بھی دیں اور فنی لحاظ سے مقام بھی پیدا کیا -

عاشر فاروقی (+ اے عرفان) کا کام حیران کن ہے - مالی مشکلات کے بے آب و گیاہ صحرا میں سے مسافرِ قلم گذر رہا ہے اور برسوں اس میں کھپ گئے اور آگے نہ جانے کیا ہو - دیارِ غیر میں بہترین انگریزی زبان میں پندرہ روزہ رسالہ تیار کرنا اور اس میں کمالِ اجمال اور جمالِ اجمال کی خاص شان دکھانا اور کم لفظوں سے زیادہ مطالب اس طرح حاصل کرنا جیسے کوئی شخص تھوڑے سے پیسوں میں اچھا کام چلا دکھائے ، یہ بس امپیکٹ والوں ہی کا حصہ ہے - سرخیاں بہترین ، عبارت میں ادب کا لطف

اور پھر یہ کوشش کہ چند اوراق میں مشرق و مغرب خصوصاً ممالک اسلامیہ کے مسائل و حوادث پوری طرح نمایاں ہو جائیں، انگریزی زبان ایسی کہ معلوم ہو برطانیہ ہی کا کوئی باشندہ لکھ رہا ہے، ان ساری خوبیوں نے مجھے تو مدت سے مسحور کر رکھا ہے۔ افسوس ہے کہ جو لوگ ایسے کاموں کو مضبوط بنا سکتے ہیں وہ ان کو جاننے پہچاننے ہی کی صلاحیت نہیں رکھتے اور ہم جیسے جو تھوڑا بہت جانتے ہیں وہ بس دعا ہی کر سکتے ہیں۔ سو میں بھی امپیکٹ کے لئے کثیر دعاؤں کا ہدیہ روانہ کرتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ قارئین ترجمان القرآن بھی یہ تعاون ضرور کریں گے۔ باقی رہی دوسری بات سو "زرمی طلبی سخن دریں است" مگر آپ نے کب کسی سے مانگا۔ ہم صرف خدا ہی سے مانگ سکتے ہیں کسی بت سے نہیں۔ اب یہ فتویٰ البتہ کسی عالم دین سے پوچھ لیجئے کہ اگر "بت" کا فرنہ ہو، "بتِ مسلم" ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

اجمالی تذکرہ

اتحاد ملت از جناب حکیم ہاشمی، پوسٹ بکس ۲۵۰ حیدرآباد سندھ (علامہ سعید احمد کاظمی کے چند سوالات کے جواب، بلاقیمت۔

کلمہ طیبہ کی توہین حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مجلس ختم نبوت، حضوری باغ روڈ ملتان، قادیانیوں کی طرف سے کلمہ کو اپنے واضح کردہ مفہوم کے ساتھ استعمال کرنا کلمہ کی توہین ہے، قیمت درج نہیں۔

THE QADIANI FUNERAL حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ ملتان مسلمانوں سے قادیانیوں کی اعتقادی و سماجی علیحدگی کے وجوہ پر حوالوں سے گفتگو۔ قیمت درج نہیں۔

الہامی گرگٹ مولانا ابوالبشیر عرفانی، مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ ملتان، مرزا صاحب کے متضاد اور متجانس کلمات۔ قیمت درج نہیں۔

شناخت مولانا محمد یوسف لدھیانوی، ناشر: شیخ محمد اکرم، سوداگر چرم، دین گڑھ قصور، قادیانیوں

کے افسانہ نزول مسیح کا تجزیہ۔ ۴۰ پیسے کے ٹکٹ بھیجیں

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کا لٹریچر پتہ: توحید روڈ، کیماڑی کراچی۔ ایک ضخیم پمفلٹ دو حصے، کا نام "توحید خالص" ہے، دوسرا "وفات المتبنّیٰ" ہے۔ تیسرا "عذاب قبر"، چوتھا "یہ قبریں، یہ آستانے" کے نام سے ہے۔ انگریزی میں لیف لیٹ ONE WAY TO SALVATION ہے ایک اور اُردو پمفلٹ "جہاں را انقلابے دیگرے دہ" کے عنوان سے ہے۔ (بلاقیمت) خواہش مند حضرات خود ہی منگوا کر رائے قائم کریں۔ ہم تو اتنا ہی سمجھیں گے کہ عثمانی صاحب ایک بڑے نصب العین کے لیے منظم کام کرنے کی راہ سے ہٹے تو وہ طرح طرح کی بحثوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔

قرآنی ناپ تول از جناب عالم فقری۔ ناشر: ادارۂ پیغام القرآن، غزنی اسٹریٹ اُردو بازار، لاہور۔ ناپ تول درست رکھنے کے متعلق اسلامی ہدایات۔ قیمت درج نہیں۔

کتاب مقدس کا کورس ایگزیکٹو سیکرٹری پاکستان بائیبل کارسپانڈنس سکول۔ مقام اشاعت مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶ فیروز پور روڈ۔ خط و کتابت کے ذریعے عیسائیت کی تبلیغی مہم بشکل اسباق۔ پاکستانی مسلمانوں کو عیسائی مشن راہ حق دکھانے کی مہم چلا رہے ہیں۔ صرف خرچ ڈاک دینا ہوگا۔

مولانا علی میاں اور مولینا نعمانی سے استفسار سوالات از سید حامد الکاف۔ ناشر: اشاعت المسلمین ۳۲۳/۱ فیصل شہید کالونی، کراچی ۲۵۔ قیمت: ۵۰/۴ روپے

دونوں متذکرہ عنوان بزرگوں کی مولینا مودودیؒ پر خاص کرم فرمائیاں رہی ہیں۔ خدا جزا دے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" جیسی صاف ستھری علمی و تحقیقی کتاب کو بھی نشانہ بنایا گیا جس کے لیے پہلے اچھے کلمات بھی ارشاد ہو چکے تھے۔ اس پر سید حامد الکاف نے یہ بحث اُٹھائی۔ مگر میرا خیال ہے کہ ان بزرگوں کا ہر حال میں احترام کرتے ہوئے ان کو ان کے مشغلوں میں مصروف چھوڑ دیا جائے۔ بحثا بحثی سے کوئی فائدہ نہیں۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰